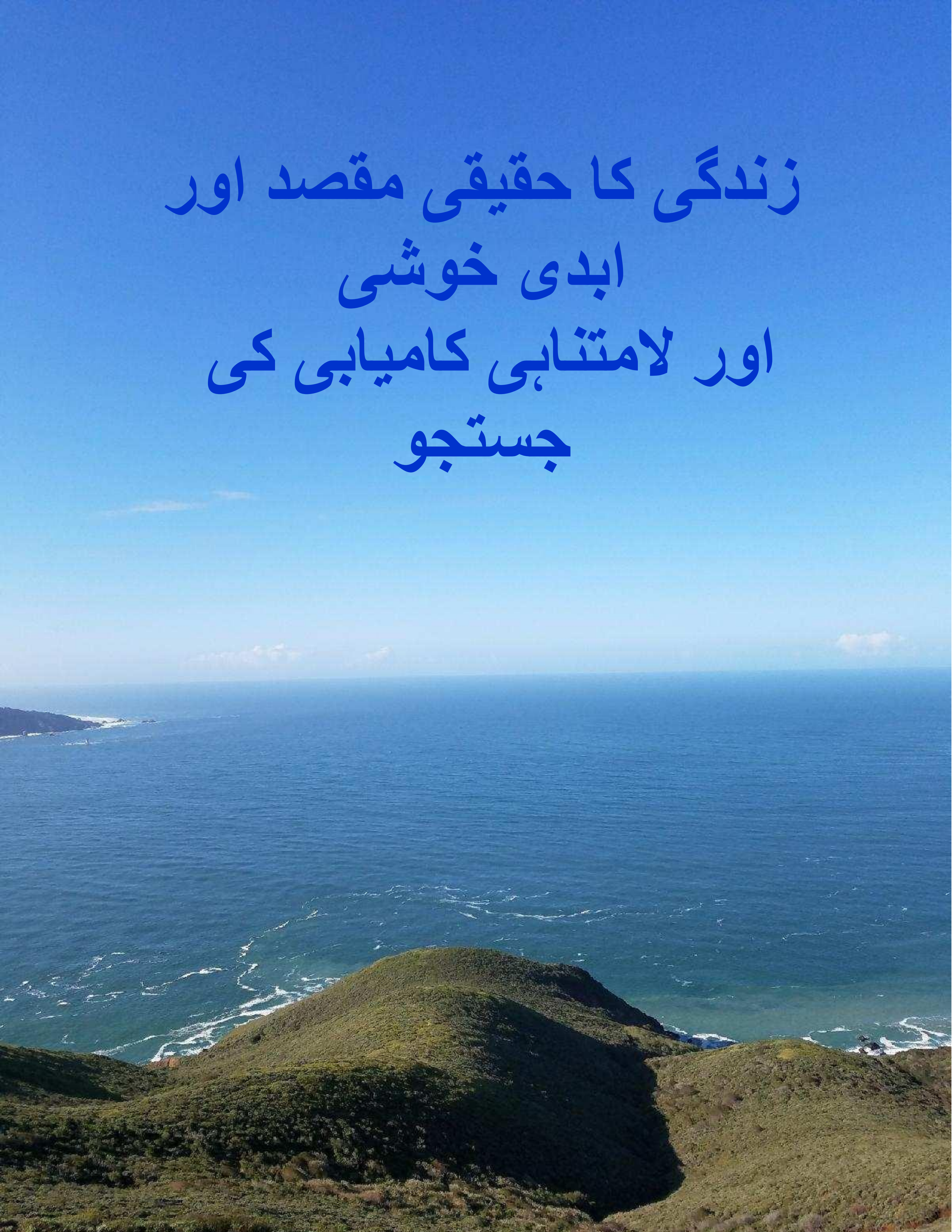
زندگی کا حقیقی مقصد اور
ابدی خوشی
اور لامتناہی کامیابی کی
جستجو



زندگی کا حقیقی مقصد اور ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کی جستجو

یہ کتاب پوری انسانی تہذیب کے عظیم مفکرین اور حیات نو کرنے والوں میں سے ایک کی لازوال تصانیف سے مرتب کی گئی ہے - امام ابو حامد محمد الغزالی (1058-1111ء)

پہلا ایڈیشن: ستمبر 2017
دوسرا ایڈیشن: جون 2021

اعتراف

ڈاکٹر محمد احمد ہاشمی (1929ء – 2014ء) نے امام غزالی کی حکمت اور روحانیت کے لازوال خزانوں سے اس مقالے کی تالیف کی تحریک اور رہنمائی کی، جو انسانیت سے محبت اور اس کی فلاح و بہبود اور فائدے کی شدید خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔

سَنُرِيهِمۡ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلۡأَفَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمۡ حَتَّىٰ
يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُ ٱلۡحَقُّ

"ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات کے دور دراز میں اور ان کے اپنے نفس میں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے۔"

(سورۃ البقرۃ باب 41، آیت 53)

مشمولات

اخذ کرنا

زمانہ قدیم کے آغاز سے ہی انسانیت اپنے وجود اور مقصد کے بنیادی سوالات سے دوچار رہی ہے۔ "میں کون ہوں؟"، "میں کہاں سے آیا ہوں؟"، "میں کہاں جا رہا ہوں؟"، "میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟"، اور "حقیقی ابدی خوشی اور کامیابی کیا ہے؟" جیسے سوالات تسلی بخش جوابات سے بچ گئے ہیں۔ جس اندرونی سکون کو حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے، وہ وجود کے ان بنیادی سوالات کے ارد گرد اسرار کو کھولنے کے ارد گرد کشش ثقل کرتی ہے۔ ان اہم سوالات کے جوابات پوری انسانی تاریخ میں کوشش کی گئی ہے ، لیکن اس حد تک نہیں کہ کسی کی سچائی کی جستجو کو مکمل طور پر مطمئن کیا جائے ، جس پر انسان کے باطنی اور خارجی وجود کی فلاح و بہبود ہے۔

یہ مقالہ وجود کے ان بنیادی سوالات کے جوابات کے لیے ایک راستہ فراہم کرتا ہے، جس کا آغاز وضاحتوں سے ہوتا ہے لیکن اس کا اختتام یقین کی اندرونی آنکھ سے تجربہ کرنے کے ذریعے سب کو باطنی احساس کی طرف مدعو کرنے کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس عمل میں، ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کی راہ کو روشن کرتا ہے۔ مزید برآں، یہ مقالہ اسلام کے بارے میں اس گفتگو سے فطری طور پر جڑا ہوا ہے جو جدید دور میں اس کے پیروکاروں کی اپنی بے پناہ روحانی تعلیمات، عمومی مروجہ مادہ پرستی، اور حقیقی علم اور روحانی عزائم کی کمی یا عدم موجودگی کی وجہ سے محض رسمی سطح پر نمایاں طور پر کم ہو گیا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ ایک نیچے کی طرف بڑھنا ہے ، جو انسانی کامیابی کی چوٹی کے لئے جدوجہد کرنے کے اس کے حقیقی پیغام کی خوبصورتی کو دھندلا دیتا ہے۔ اس کو صرف ان بلند نظریات کی طرف واپس جانے سے ہی پلٹا جاسکتا ہے جو اس نے پوری انسانیت کے لئے قائم کیے تھے۔ یہ ضروری ہے کہ گفتگو کی اس سطح کو اس کی اعلیٰ ترین سطح تک لے جایا جائے ، جہاں اس کا تعلق ہے ، تاکہ پوری انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے لئے امیدوں ، امنگوں اور جذبات کو بلند کیا جاسکے۔

یہ مقالہ، جو اسلام اور اس کی روحانی تعلیمات کے بہترین علمبرداروں میں سے ایک سے متاثر ہے، جو پوری انسانیت کے لیے ہے، جو نسل انسانی کا ایک جواہر ہے، اسلام اور اس کی روحانی تعلیمات کے بارے میں گفتگو کو اس مقام تک پہنچاتا ہے جہاں وہ انسانی کامیابی کی اعلیٰ ترین سطح تک پہنچتے ہیں، جس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی فتح حاصل ہوتی ہے۔ زمینی وسائل محدود ہیں ، جس کی وجہ سے ان کے حصول کے لئے شدید مقابلہ ، دشمنی اور اس کے نتیجے میں انسانیت کو درپیش انتشار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاہم ، الٰہی محبت کا سمندر ، جو اس کے حصول والوں کی روحانی فضیلت میں ظاہر ہوتا ہے ، اس کی وسعت سے ایک قطرہ کم کیے بغیر ، ہمیشہ کے لئے انسانیت کے پہلے اور آخری کی داخلی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لامحدود ہے۔ بالکل اسی طرح جب پوری انسانیت سکون اور سکون حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھتی ہے تو آسمان ذرا بھی کم نہیں ہوتا، اسی طرح الٰہی سخاوت کے سمندر سے ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوتا، جس سے ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کے دریا بہتے ہیں، اگر پوری انسانیت اس میں اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ حصہ لے۔

یہ مقالہ قارئین کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ زندگی میں حقیقی مقصد اور سمت کی کمی کی وجہ سے مایوسی اور کم کامیابی کی گہرائیوں میں ڈوبنے کے بجائے ، دنیاوی کے لئے لاشعوری لگن اور عام سے مطمئن ہونے کے بجائے عزائم کو بلند کریں اور انسانی کامیابی کی بلندیوں کو چھوئیں۔ یہ مقالہ، جس کی ترقی کے ساتھ ساتھ شدت سے سامنے آتا ہے، انسان کی ممکنہ اور حقیقی صلاحیت اور قدر کے فن کو ظاہر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کو لافانی ابدیت کی زندگی میں لے جاتا ہے۔ انسانی جسم ، دماغ اور عقل کی حدود ، جو زمان و مکان کے طول و عرض کی حدود میں پھنسے ہوئے ہیں ، اس کے دل اور روح کی بلندی سے اس کی تلافی اس کے دل اور روح کی بلندی سے کی جاتی ہیں ، جو ایک بار اس کو پکڑنے والی زنجیروں سے آزاد ہوجاتی ہے۔ یہ مقالہ انسان کو ابدی خوشی اور کبھی نہ ختم ہونے والی کامیابی کے بے پناہ سمندر کی طرف لے جاتا ہے، جو کسی کو مضبوطی سے ابدی خوشی کی راہ پر گامزن کرتا ہے، بیداری اور روحانی روشنی کے نئے پہلے سے نامعلوم راستے کھولتا ہے اور ابدی سچائیوں کے طلوع ہونے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہ اس موضوع کے ایک ماہر مصنف کے جواہرات کے ذریعے پورا کیا جائے گا جو پوری انسانی تہذیب نے کبھی پیدا کیا ہے۔

مقدمہ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے

اس نمائش کا مقصد انسانی زندگی کا اصل مقصد جاننا ہے، اس مقصد کو کیسے حاصل کیا جائے اور اپنی زندگی کے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کے فوائد کو جاننا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کیونکہ یہ ہر فرد کے لئے سب سے اہم سوالات ہیں۔ ان اہم سوالات کے جوابات جاننے کے لیے ہم پوری انسانی تاریخ کے عظیم ترین مفکرین میں سے ایک امام ابو حامد محمد الغزالی (1058-1111ء) کی کتابوں پر انحصار کریں گے جو الغزالی کے نام سے مشہور ہیں۔

اس نمائش کے تین حصے ہیں۔

پہلا حصہ ان سوالات سے متعلق ہے: ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ ابدی خوشی کیا ہے؟ حقیقی ابدی کامیابی کیا ہے؟ دونوں کے درمیان باہمی تعلق کیا ہے؟

دوسرا حصہ اس اندرونی روحانی راستے سے متعلق ہے جس پر ہمیں اپنی زندگی کے حقیقی مقصد اور ابدی خوشی کے حصول کے لیے سفر کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا حصہ ہماری زندگی کے حقیقی مقصد اور ابدی خوشی کے حصول کے بارے میں مزید معلومات اور تفصیلی مطالعہ کے ذرائع سے متعلق ہے تاکہ ہم اپنی زندگی کے مقصد اور ابدی خوشی کے حصول اور حصول کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

<u>پہلا حصہ: انسانی زندگی کے حقیقی مقصد کی وضاحت اور ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کا حصول</u>

انسانی زندگی کا اصل مقصد خدا کو جاننا اور اس کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل کرنا اور اس کے ساتھ قریبی روحانی تعلق استوار کرنا ہے۔ صرف اس کے ذریعے ہی انسان ابدی خوشی حاصل کر سکتا ہے، یعنی ابدی خوشی اور لامتناہی فتح حاصل کر سکتا ہے۔ یہ نمائش کچھ ابتدائی وضاحتوں کے بعد یہ جاننے کے لئے کہ یہ کیسے اور کیوں ہے ، اس میں گہری غوطہ لگائے گی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقۡتُ ٱلۡجِنَّ وَٱلۡإِنسَ إِلَّا لِيَعۡبُدُونِ

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔" (سورۃ البقرۃ باب 51، آیت 56)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو صحابہ کرام میں قرآن کے عظیم علماء میں سے تھے، نے وضاحت کی ہے کہ اس آیت میں لفظ *"لی یعقوبون"* یا "میری عبادت کے لیے" کا مطلب ہے *"لی یعفون"* یا "میری عرفان کے لیے"۔ قرآن مجید کی اس آیت کی یہ تشریح دیگر کتابوں کے علاوہ قرآن مجید کی مشہور کلاسیکی تفسیر *"تفسیر جلالین"* میں بھی ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد خدا کو جاننا، خدا کے ساتھ قریبی تعلق استوار کرنا، خدا کی معرفت (*معارفہ*) کا ہونا اور الٰہی قربت اور قربت کے بلند روحانی مقام تک پہنچنا ہے۔ جب کوئی شخص اس بلند روحانی مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کبھی

نہ ختم ہونے والی دولت، حقیقی باطنی سکون ، دل کی راحت ، حقیقی دائمی کامیابی اور ایک ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ، وہ ابدی خوشی حاصل کرتا ہے۔ تو یہ ابدی نعمت (یا ابدی خوشی) کی تعریف ہے اور اس کے حصول کا راستہ خدا کو جاننا اور خدا کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ یہ ابدی خوشی اس زندگی سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تکمیل اور کمال، انسان کو امر کرنے والی ابدی زندگی کی شکل میں، اس زندگی کے بعد کی زندگی میں ہوتی ہے۔

روحانی تبدیلی کا یہ عمل جو اسلام کا اصل مقصد ہے، اس کی وضاحت رسول اللہ *صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے جو* صحیح بخاری *اور* صحیح مسلم کے *نام سے مشہور نبوی احادیث* کے مجموعے سے ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے تو ہمارے سامنے ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور اس کے بال بہت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے گھٹنوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اور اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ کر فرمایا: اے محمد، مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: *اسلام* گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز پڑھیں، *زکوٰۃ* ادا کریں، رمضان کے *روزے* رکھیں، اور اگر تم کر سکے تو بیت المقدس کی زیارت کرو۔ آپ نے فرمایا: تم نے صحیح کہا اور ہم اس پر حیران ہوئے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کہا کہ اس نے صحیح کہا ہے۔ اس نے کہا: پھر مجھے ایمان کے بارے میں بتاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور اس کی بھلائی اور برائی پر ایمان لانا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے صحیح بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر مجھے احسان کے بارے میں بتاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرنا اس طرح ہے جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور جب تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے خود کو اتار لیا اور میں کچھ دیر کے لئے ٹھہرا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے عمر، کیا تم جانتے ہو کہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ *جبرائیل* علیہ السلام تھے جو تمہارے پاس تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ (یہ روایت سے لی گئی ہے حدیث (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات) کا مجموعہ "*صحیح مسلم*" ہے۔

علماء کے مطابق یہ واقعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پینتالیس دن پہلے پیش آیا۔ اس وقت تک پورے قرآن (اسلام کی مقدس کتاب کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر 23 سال کے عرصے میں نازل کیا ہے) کا الہامی نزول مکمل ہو چکا تھا اور قرآن مجید کی مشہور آیات نازل ہوئیں جن میں کہا گیا تھا:

ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا

"آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور اس کا نام اسلام رکھا۔" (سورۃ البقرۃ باب 5، آیت 3) تاریخ کے اس موڑ پر جبرائیل کا حکم الٰہی کے ساتھ آنا یہ سکھانے کے لیے کہ اسلام کی تین سطحیں ہیں جن میں *اسلام* یا خدا کے سامنے اطاعت یا *ایمان یا* خدا پر ایمان اور *احسان* یا خدا کی معرفت ("*معارفہ*") کہا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی *اس حدیث* یا روایت میں، جسے جبرائیل علیہ السلام کی حدیث بھی کہا جاتا ہے، عظیم مسلم علماء کی تشریح کے مطابق، خدا نے فرشتہ جبرائیل (یا *جبرائیل*) کے ذریعے پیغمبر اسلام کو بتایا کہ اسلام کی مندرجہ ذیل تین سطحیں ہیں:

1. **اسلام**: اسلام کی پہلی سطح کو "اسلام" بھی کہا جاتا *ہے اور اس کا تعلق جسم سے ہے اور اس سے مراد* ہماری ظاہری زندگیوں کے لیے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، یعنی ظاہری عبادات، لوگوں سے معاملہ، انفرادی اور اجتماعی معاشرتی ذمہ داریاں، اخلاقی اور اخلاقی تعلیمات وغیرہ، وہ تمام چیزیں جن کا مشاہدہ بیرونی آنکھ سے کیا جا سکتا ہے۔ اس سطح کو اسلام کی افقی جہت سمجھا جاتا ہے اور یہ اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔
2. **ایمان** : اسلام کی دوسری سطح کو *ایمان* یا ایمان اور ایمان اور عقائد کہا جاتا ہے اور اس کا تعلق دل سے ہے اور اس سے مراد وہ عقائد ہیں جو ایک مسلمان کو زندگی کے تمام معاملات میں خدا پر اور اس کی ہدایت میں

یقین بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ علم کو مخلصانہ طور پر حاصل کرنے اور اسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے خدا پر ایمان مزید گہرا ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ اور اس کی ہدایت میں کوئی شک باقی نہیں ہے۔ اس سطح کو اسلام کی عمودی جہت سمجھا جاتا ہے جو اسلام کو اس کی بلندی دیتا ہے۔

3. **احسان** : اسلام کی تیسری سطح کو *"احسان"* یا روحانیت کہا جاتا ہے جس کی علامت پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے ملتی ہے: "خدا کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ، اور جب تم ابھی تک اسے دیکھتے ہو تو وہ واقعی تمہیں دیکھتا ہے" اور اس کا تعلق روح سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مکمل یا کامل مسلمان یا تو اپنی روح کی آنکھ سے خدا کی گواہی دینے کی حالت میں ہے یا [اگر کوئی اس بلند روحانی مقام تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ دائمی طور پر غور و فکر کی حالت میں ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی نزد میں ہے۔ یہ روحانیت اپنے دل و روح کو غصہ، نفرت، حسد، حسد، تکبر، لالچ، ناانصافی، بے صبری، انا پرستی، نسل پرستی، جنونیت ، انتہا پسندی، خود راستبازی، انتقام، سختی دل، جہالت، بزدلی، برے خیالات کو تفریح کرنے، شہرت/کنٹرول/طاقت کی ہوس اور تمام منفی خصلتوں اور رجحانات سے چھٹکارا دلانے کی مشترکہ کوششوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اور محبت، صبر، شکرگزاری، عفو، مہربانی، ہمدردی، سخاوت، عاجزی، خدا اور تمام انسانوں کے لیے ان کی نسل، مذہب اور قومیت سے قطع نظر، خدا پر توکل، ذکر، پاکیزگی، تمام مثبت صفات اور رجحانات پیدا کرکے اپنی روح کو خوبصورت بنانا، جس کے نتیجے میں خدا کے ساتھ قریبی رشتہ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح زندگی کے تمام معاملات میں خدائی تحفظ اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اس سطح کو اسلام کی تیسری جہت سمجھا جاتا ہے جو اسلام کو اس کی گہرائی اور خوبصورتی عطا کرتی ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ ترین سطح ہے جس تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ انسان اپنی روح کے اندر تاریکی کو مکمل طور پر ختم کر کے انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا جا سکے اور اس کے نتیجے میں حکمت کی الہی روشنی حاصل کر کے جس میں زندگی کے تمام سوالات کے جوابات ملتے ہیں جیسے "میں کون ہوں؟"، "میں کہاں سے آیا ہوں؟"، "میں کہاں جا رہا ہوں؟" "زندگی کا مقصد کیا ہے؟"، "خدا نے سب کچھ کیوں پیدا کیا؟"، اور "حقیقی خوشی اور کامیابی کیا ہے؟" یہیں سے خدا کے مخلص متلاشی خدا کے ادراک کی حالت حاصل کرتے ہیں، یعنی عرفان جو روحانی کامیابی کی معراج ہے، جس کے نتیجے میں مکمل اندرونی سکون اور لامتناہی خوشی ہوتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام کی یہ اعلیٰ سطح بھی سب سے کم سمجھی جاتی ہے۔

اسلام کی پہلی سطح کا مقصد، جسے *"اسلام"* یا "خدا کی مرضی کے سامنے سرتسلیم خم" بھی کہا جاتا ہے، ایک فرد کو جسم یا اس کے بیرونی وجود سے متعلق عبادت اور خدا کی عقیدت کے بیرونی اعمال کے ذریعے خدا کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ اسلام کی دوسری سطح جسے *"ایمان"* یا "ایمان اور خدا پر یقین ہے" کے نام سے جانا جاتا ہے، کا تعلق دل کی تصدیق اور یقین سے ہے۔ جب انسان سچے دل سے خدا کی عبادت کرتا ہے، اس کی راہ کا علم حاصل کرتا ہے اور عبادت الٰہی میں کوشش کرتا ہے تو خدا کے وجود میں یقین اس کے دل کی گہرائی میں ڈوبنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں دل میں ایمان کی مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے ایمان کو خدا پر ایک غیر متزلزل یقین میں بدل دیتی ہے اور اس طرح اللہ اور اس کی ہدایت کے بارے میں تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ خدا کی طرف اس راہ پر مزید پیش قدمی کرتے ہوئے اسلام کی تیسری اور اعلیٰ ترین اور سب سے بڑی سطح پر پہنچتا ہے جسے *"احسان"* کے نام سے جانا جاتا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خدا کی عبادت اس طرح دیکھتے ہیں جیسے تم اسے دیکھو اور اگر تم اسے نہیں دیکھو تو وہ تمہیں واقعی دیکھتا ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روحانی مسافر جس نے اتنا بلند روحانی مقام حاصل کیا ہے وہ یا تو *"مشاہدہ"* یا *"مناظرہ" کی حالت میں ہے۔ "مشاہدہ"* یا "خدا کی گواہی" کا مطلب "خدا کی گواہی دینا" نہیں ہے کیونکہ ایسی گواہی آخرت کی زندگی میں ہوگی جیسا کہ کتاب الٰہی میں بیان کیا گیا ہے، لیکن اس دنیاوی زندگی میں "خدا کی گواہی" کا مطلب ہے "خدا کی صفات اور اعمال کی گواہی"۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات اور اعمال اس کائنات کے ہر ذرے میں اور اس سے آگے اور ہر قسم کے "وجود" میں بہتے ہیں اور خدا کی ایسی صفات اور اعمال اس زندگی میں روح کی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت امام غزالی کی کتاب *"جواہر القرآن"* یا "جواہرات قرآن" سے ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر تم خدا کی عبادت کرنا ممکن نہیں ہے گویا تم اسے دیکھ رہے ہو تو تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ *میں "مشاہدہ"* یا "خدا کی گواہی"

رکھنے کی روحانی صلاحیت نہیں ہے تو کم از کم "*مناظرہ*" یا "روحانی غور و فکر" اپنے دل سے رکھیں کہ آپ ہمیشہ خدا کی نظر میں ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث کے مجموعہ *"* صحیح مسلم*" کی ایک اور حدیث یا نبوی روایت* میں پایا جا سکتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "خدا تمہارے چہروں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے"۔ جب انسان اپنے دل پر خدا کی نگاہوں پر غور کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے تو وہ نہ صرف برے اعمال سے بچ جاتا ہے بلکہ تمام برے خیالات کو اپنے دل میں داخل ہونے سے بھی روکتا ہے، کیونکہ وہ اس بات پر غور کرنے کی کیفیت میں ہے کہ خدا ہر ظاہری اور باطنی، ظاہر اور پوشیدہ ہر حالت کو دیکھ رہا ہے، جس میں وہ موجود ہے اور خدا اس کے وجود کے ہر ریشے سے پوری طرح واقف ہے۔

عظیم مسلمان اولیاء (عرفان، خدا کے مقرب اور روحانی آقا) کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین سطح تک پہنچنا جسے "*احسان*" کہا جاتا ہے (یعنی خدا کی عبادت اس طرح کرنا جیسے آپ اسے دیکھتے ہیں اور اگر آپ اسے نہیں دیکھتے تو وہ آپ کو واقعی دیکھتا ہے) جہاں انسان خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے جس کے ذریعے وہ ابدی نعمت حاصل کرتا ہے اور اس کے ذریعے وہ زندگی کا اصل مقصد حاصل کرتا ہے۔ کامیابی کی اس اعلیٰ ترین بلندی تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی روح کو تمام برائیوں اور منفی رجحانات اور صفات سے پاک کر کے پاک کرے اور اسے تمام خوبصورت اور مثبت رجحانات اور خوبیوں سے آراستہ کرے۔ کسی کی روح کی تطہیر کے لیے اس طرح کی طاقتور اندرونی روحانی کشمکش، روح کو اس قابل بناتی ہے، جو خدا کی معرفت کے حصول کا واحد آلہ اور ذریعہ ہے، روحانی درجات پر چڑھتے ہوئے خدا کی حضوری میں پرواز کرنے کے قابل بناتی ہے۔ دماغ، جسم اور عقل جیسی دیگر انسانی صلاحیتوں کے برعکس روح کی کوئی حدود نہیں ہوتیں اور وہ ان بلندیوں تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہے جہاں دیگر انسانی صلاحیتیں حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا انسانی کامیابی کی چوٹی تک پہنچنا دماغ، جسم اور عقل کے ذریعے نہیں بلکہ روح کے ذریعے ہی ممکن ہے، جب اس کی زنجیریں اور پابندیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

روح کی بیماریوں، برائیوں اور تمام منفی رجحانات کو پاک کرنے کے لیے اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ایک پرعزم روحانی جدوجہد کی جائے تاکہ تمام باطنی برائیوں کو دور کیا جا سکے جو انسان کو راہ خدا سے دور کرتی ہیں اور ان تمام عظیم روحانی صفات کو ابحال کیا جائے جو انسان کو خدا کے قرب کے مقصد تک لے جاتی ہیں۔ قربت ، اور گنوسس۔ اندرونی برائیوں کو جو روح کی بیماریاں ہیں، ایک پرعزم اور ٹھوس روحانی جدوجہد کے ذریعے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ روح کی ان برائیوں یا بیماریوں میں دشمنی، نفرت، حسد، ظلم، ظلم، گستاخی، بدتمیزی، بے حسی، جھوٹ، الزامات، حد سے زیادہ باتیں، گھمنڈ کرنا، غرور، تکبر، دھوکہ دہی، غیر مہذب رویہ، بے حیائی، کنجوسی، اسراف، نسلی/لسانی/قوم پرستی/مذہبی تعصب اور تکبر، خود راستبازی، منافقت، خود غرضی، خود غرضی، بے صبری، بے حسی، اداسی ، افسردگی، بزدلی، ہمت کی کمی شامل ہیں لیکن ان تک محدود نہیں ہیں۔ کوتاہ بینی، غفلت، غفلت، لاپرواہی، تمام منفی خیالات، قول، اعمال، رجحانات اور میلانات جو انسان کو حق کی راہ سے ہٹا دیتے ہیں اور حقیقی باطنی فطرت اور خدا کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔

روح کی اندرونی بیماریوں کو اس کی گہرائی سے نکالنے کے بعد، انسان کو ان تمام مثبت اور عظیم روحانی صفات کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے جو انسان کو عظیم کردار اور مزاج کی بلندیوں تک لے جاتی ہیں اور روحانی عروج کی راہ کو روشن کرتی ہیں۔ اس طرح کی عظیم روحانی صفات میں محبت، رحمت، مہربانی، ہمدردی، اخلاص، سچائی، ہمت، بہادری، عزم، سخاوت، شرافت، دور اندیشی ، حکمت، انصاف، انصاف پسندی، پرہیزگاری، نیک اور خوشگوار اخلاق اور کردار، شائستگی، بغیر کسی مذموم مقصد کے انسانیت کی بے لوث خدمت، عاجزی، راستبازی اور نیک اعمال، دل کی کشاوت، دائمی الٰہی یاد، خدا پر توکل اور توکل، دل و روح کی پاکیزگی، اور تمام اچھے اور مثبت خیالات، الفاظ، اعمال، رجحانات اور میلانات جو انسان کو خدا کی قبولیت اور حضوری کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس مقام تک پہنچنا "*احسان*" کی سطح تک پہنچنا ہے، جو اسلام کی اعلیٰ ترین سطح ہے اور انسانی کامیابی کی معراج ہے، جیسا کہ "*جبرائیل* علیہ السلام" کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "خدا کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھو تو وہ تمہیں واقعی دیکھتا ہے"، دوسرے لفظوں میں "*مشاہدہ* یا *مرقبہ*" یا "خدا کی گواہی دینا یا کسی کے وجود کے ہر ریشے پر خدا کے لفافے پر غور کرنا"۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ

"جس کا دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے (یعنی خدا کی مرضی کے تابعدار) وہ اپنے رب کی طرف سے نور (یا حکمت کی روشنی) میں ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب ۳۹، آیت ۲۲)

یہ احسان کی وہ درجہ، یعنی گنوسس یا اسلام کی اعلیٰ ترین درجہی ہے جو انسانی کارناموں کی معراج ہے، جس پر خدا کے انبیاء اور ان کے بعد صحابہ کرام صحابہ کرام نے اور ان کے بعد بڑے اولیاء اور گنوسٹک نے پہنچی۔ یہ وہی درجہٖ ہے جب حاصل کیا جاتا ہے تو انسان ایک سچا اور کامل انسان بن جاتا ہے اور زمین پر خدا کا خلیفہ بن جاتا ہے اور یہیں سے انسان ابدی خوشی اور لامتناہی فتح حاصل کرتا ہے جو ابد تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔ معراج کے اس بلند مقام تک پہنچنا اور یہ بے پناہ دولت حاصل کرنا ہر انسان کے لیے ممکن ہے۔ انبیاء انسانیت کو یہ راستہ سکھانے کے لیے اس دنیا میں آئے تھے اور نبوت کا دور ختم ہونے کے بعد، انبیاء کے وارث جو اولیاء اور گنوسٹک ہیں، آخری وقت تک یہاں موجود رہیں گے تاکہ اپنی زبانوں اور اپنی شاندار روحانی کیفیات سے انسانیت کو یہ راستہ سکھا سکیں۔ اس لیے کہ یہ راستہ انسانیت کے لیے آخری وقت تک کھلا رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آخری وقت تک پوری انسانیت سے جو وعدہ کیا تھا وہ کہ جو لوگ ہماری راہوں پر جہاد کریں گے ہم انہیں یقینا اور یقینی طور پر اپنی راہوں پر گامزن کریں گے۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے" (سورۃ البقرۃ باب 29، آیت 69) کہ خدا کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے اور خدا کی محبت اور شفقت جو اس نے پوری انسانیت کے لیے رکھی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں اب ہم اپنی زندگی کا مقصد اور اس مقصد کے حصول کے طریقہ کار کو مختصرا جانتے ہیں۔ اس کے بعد ، ہماری زندگی کے مقصد اور اس کے حصول کے طریقوں کی نسبتا تفصیلی وضاحت پیش کی جائے گی۔ اس وضاحت کو پیش کرنے کے لیے نہ صرف اسلامی تہذیب بلکہ پوری انسانی تہذیب کے بہترین علمبرداروں میں سے ایک کی حکمت کے عظیم روشن و لازوال خزانوں سے مدد لی جائے گی جو انسانی کارنامے کی معراج کو کمال کی بلندی پر پہنچا ہے، احسان کی سطح پر پہنچ چکی ہے جس کی کتابیں آج بھی پوری انسانیت کے لیے کمال کی راہ اور کامیابی کی معراج کو روشن کر رہی ہیں۔ یہ عظیم شخصیت امام ابو حامد محمد غزالی (1058-1111ء) کا "ثبوت اسلام" ہے جو امام غزالی یا صرف غزالی کے نام سے مشہور ہیں۔

امام غزالی نے اپنی مختصر کتاب "*میزان العمل*" یا "انسانی اعمال کی درستگی کی پیمائش اور فیصلہ کرنے کا معیار" میں جو ان کی مختصر کتابوں کے مجموعے "*مجمع رسائل امام غزالی*" یا "امام غزالی کی مختصر کتابوں کا مجموعہ" ہے، میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی (*سعدہ آبادی* یا *سعادت عبادی*) کی وضاحت اس طرح کی ہے:

[ابدی] خوشی کی تلاش میں غفلت اور سستی بے ہودگی کے مترادف ہے

ابدی خوشی سے ہمارا مطلب یہ ہے: موت کے بغیر ابدی، کوشش کے بغیر لذت، سانحے کے بغیر خوشی، غربت کے بغیر خوشحالی، عیب کے بغیر کمال، اور ذلت کے بغیر عزت۔

مجموعی طور پر: ہر چیز کا تصور کیا گیا ہے، چاہے وہ درخواست گزار کی درخواست ہو یا کسی خواہش مند کی خواہش جو ہمیشہ کے لیے اس انداز میں موجود ہے جو وقت گزرنے اور نسلوں کے معدوم ہونے سے کم نہیں ہوگی۔

درحقیقت، اگر ساری دنیا اناج سے بھری ہوئی ہو اور ایک پرندہ ہر ایک ہزار سال میں ایک دانہ چوری کرے تو دانے ختم ہو جائیں گے، ابد سے کچھ بھی کم نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد اس کی درخواست کرنے کے لئے کسی حوصلہ افزائی کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کے وجود کی تصدیق کے بعد اس کی تلاش میں سستی کی ضرورت نہیں ہوگی؟ چونکہ ہر عقلمند اس سے کم منافع کے لیے دوڑے گا

اور یہ اسے پیچھے نہیں ہٹے گا چاہے اس کی تکمیل کا راستہ مشکل ہی کیوں نہ ہو، اور دنیاوی لذتوں کو چھوڑ کر بہت سی مشکلات برداشت کرے گا۔

مصیبت میں گزارا جانے والا وقت محدود ہوتا ہے اور جو کچھ چھوٹ جاتا ہے وہ کم سے کم ہوتا ہے کیونکہ دنیاوی لذتیں عارضی اور آسانی سے ختم ہوجاتی ہیں۔

جہاں تک ذہین شخص کا تعلق ہے ، اس کے لئے اس کے متعدد کو دس گنا حاصل کرنے کے لئے تھوڑی سی رقم کا حصہ دینا آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ تجارت اور صنعت میں اور یہاں تک کہ علم کے حصول میں بھی ہر قسم کی ذلت، غربت، مشکلات اور ناقابل برداشت درد کا مقابلہ کرے گا، مستقبل میں ایک ایسی لذت حاصل کرنے کے خواہاں ہیں جو اس سے کہیں زیادہ ہے جو وہ موجودہ وقت میں کھو رہے ہیں، ایک محدود اضافہ۔ تو پھر یہ کیسے ہے کہ وہ انمول اور لامحدود فوائد تک پہنچنے کے لیے موجودہ حالات کو نہیں چھوڑیں گے؟

تخلیق میں کوئی ذہین ہستی ایسی نہیں ہے جو دولت حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو جب خالص سونا حاصل کرنے کے لیے ایک دینار خرچ کرنے کے لیے کہا جائے تو یقینا اس کی انا اسے جلد ہی خرچ کرنے کی اجازت دے گی۔ اگرچہ اسی موقع پر یہ درخواست کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص جو بھوک کے درد کو بھی برداشت نہیں کرے گا، مثال کے طور پر، اس مدت میں تاکہ وہ مستقبل میں وافر ثواب حاصل کر سکے، اسے عقل مند نہیں سمجھا جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں اس کے وجود کا تصور بھی نہ کیا جا سکے، حالانکہ یہ موت ہمیشہ سب پر منڈلاتی رہتی ہے اور سونے سے آخرت میں کسی کو فائدہ نہیں پہنچے۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اس مہینے میں یا اس مہینے کے بعد کے ایک دن میں مر جائے اور اس سونے سے فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ سب اس انعام کو حاصل کرنے میں اس کی بے تابی کے لئے اسے خرچ کرنے میں اس کی رائے کو نہیں روکیں گے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عقلمند کی رائے اپنی زندگی میں خواہشات کا بوجھ اٹھانے میں دھوکہ کھا جاتی ہے جو زیادہ سے زیادہ سو سال ہوتی ہے اور اس کا ثواب ابدی نعمت ہے؟

تاہم ، سعادت کے راستے پر چلنے میں تخلیق کی ہچکچاہٹ آخری دن میں ان کے یقین کی کمی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ کمزور عقل بھی جلد ہی پوری عقل کے ساتھ کسی پر خوشی کی راہ پر چلنے کا فیصلہ کرے گا۔

امام غزالی نے فارسی زبان میں لکھی گئی اپنی عظیم کتاب "*کیمیا* یا تبدیلی کا تبدیلی کا ایجنٹ" میں ابدی خوشی کی وضاحت اس طرح کی ہے:

آسمان پر ستاروں کی تعداد، بارشوں میں قطرے، درختوں کے پتے، صحراؤں کی ریت کے ذرات اور آسمانوں اور زمین و زمین میں ایٹموں کے برابر بے شمار شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے لائق ہے جس کی صفت اس کی وحدانیت ہے اور اس کی عظمت و عظمت اور فضیلت اس کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی بھی خادم عزت مآب کے کمال سے واقف نہیں ہے۔ کسی کے پاس اس کی معرفت کی حقیقت میں راستہ نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کی شناخت حاصل کرنے میں ناکامی کا اعتراف کرنا سب سے زیادہ سچے کا عروج ہے اور اس کی حمد و ثنا میں کمی کا اعتراف کرنا فرشتوں اور انبیاء کی طرف سے پڑھی جانے والی حمد و ثنا کا عروج ہے۔ عزت مآب کی پہلی کرن پر حیران ہونا ذہین لوگوں کی عقل کا عروج ہے۔ اس کے فضل کی قربت کی تلاش میں حیرت زدہ ہونا صوفیانہ راہ کے مسافروں کا عروج ہے۔ اس کی بنیاد علم کی امید کو چھوڑنا اور اپنی نفس کی خواہشات کو چھوڑنا ہے۔ اس کی گنوسس کے معاملے میں کمال کا دعویٰ مماثلت اور مماثلت کے بارے میں سوچنا ہے۔ اس کے وجود کے فضل پر نظر ڈال کر سب کی آنکھیں چمک جاتی ہیں۔ اس کے حیرت انگیز کاموں کو دیکھ کر، تمام عقلوں کے ذریعہ پیدا ہونے والا پھل ضروری گنوسس ہے۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اس کے وجود کی عظمت پر غور کرے کہ وہ کیسا اور کیوں ہے۔ کوئی دل ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اس کے عجیب و غریب کاموں سے غافل رہے۔ وہ کیا ہیں اور کس کی طاقت کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ تسلیم کر سکے کہ سب یقینی طور پر اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اور اس کی

عظمت کے نور ہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی وجہ سے ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے وہ وہی ہے۔ جیسا کہ حقیقت میں اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ سب کا وجود اس کے وجود کا عکس ہے۔

اے پیارے محبوب! اچھی طرح جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھیل اور باطل کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ کسی کا فرض اور اس میں موجود خطرات دونوں بہت زیادہ ہیں، گویا کوئی ابدی نہیں ہے لیکن یقینی طور پر اسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ یعنی ، اگر کوئی ہمیشہ سے نہیں ہے (یا ازل سے زندہ ہے) ، تو وہ ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ اگرچہ کسی کا جسم مٹی سے بنا ہوا ہے لیکن اس کی روح کی حقیقت بہت بڑی ہے: الہامی ہونے کا۔ اگرچہ اس کی ابتدا جانوروں، درندوں، شیطانوں اور ان کی نجاستوں کے ساتھ مل جاتی ہے لیکن جب اسے مشکل میں ڈال دیا جاتا ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور خدا کے قریب ہونے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ کسی کا کام ہے کہ وہ سب سے کم میں سے بدترین اور سب سے اوپر سے بہترین بنے۔ اس کا سب سے کم اتار چڑھاؤ یہ ہے کہ جانوروں اور درندوں اور شیطانوں کے گڑھے میں گر کر ، وہ غصے اور خواہش کے جال میں الجھ جاتا ہے۔ اس کا عروج یہ ہے کہ یہ فرشتوں کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اسے غصے اور خواہش کے چنگل سے نجات ملنی چاہیے۔ یہ دونوں کسی کے قیدی ہونے چاہئیں اور ایک ان کا بادشاہ ہونا چاہیے۔ جب بادشاہت کا یہ درجہ کسی کو حاصل کیا جاتا ہے تو وہ خدا کی عبادت کے لائق ہو جاتا ہے۔ عبادت کرنے کی یہ صلاحیت فرشتوں کی صفت ہے۔ یہ انسان کے درجے کا کمال ہے۔ جب کسی کو خدا کے فضل کی محبت کا ذائقہ ملتا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی خدا کی دید سے محروم رہ کر نہیں گزر سکتا۔ نہ ختم ہونے والے فضل کا نظارہ انسان کی جنت بن جاتا ہے۔ آنکھوں، معدے اور جسمانی لذتوں کی جنت کسی کے لیے بے معنی اور بیکار ہو جاتی ہے۔ چونکہ انسان کی پیدائش کے آغاز میں انسان کی بنیاد نامکمل اور غیر اہم ہوتی ہے، اس لیے کسی کو کامل بنانا مشکل کے بغیر ممکن نہیں ہے اور کیمیا کی طرح سلوک جو پیتل اور تانبے کو پاک کرتا ہے اور اسے سونے میں تبدیل کرتا ہے، انتہائی مشکل ہے۔ ہر کوئی اس کی شناخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ کیمیا جو انسان کی بنیاد کو حیوانی عادات کی نجاستوں سے پاک کرتی ہے اور اس میں فرشتہ [روحانی] تطہیر لاتا ہے جس کی وجہ سے اسے ابدی نعمت ملتی ہے۔ یہ بہت مشکل ہے، اور ہر شخص اسے نہیں جانتا۔ اس مقالے کو لکھنے کا مقصد اس کیمیا کے عناصر کو بیان کرنا ہے جو درحقیقت ابدی خوشی کی کیمیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو "*کیمیا سعادت*" یا "کیمیا یا تبدیلی کا ایجنٹ" کا نام دیا ہے۔ "کیمیا" کا نام اس کتاب کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیتل اور تانبے میں پیلے رنگ اور وزن کے سوا کوئی فرق نہیں ہے اور اس کیمیا سے اس دنیا میں امیر ہونے کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی مختصر ہے۔ دنیاوی دولت اپنے آپ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مویشیوں کی عادات اور فرشتوں کی صفات میں فرق کی دنیا ہے۔ اس کیمیا کا پھل ابدی خوشی ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کے احسانات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کوئی نجاست اس کی پاکیزگی میں داخل نہیں ہو سکتی۔ یہ کتاب حقیقت میں ایک کیمیا ہے۔ اس کے علاوہ ، کسی اور چیز کو کیمیا کا نام دینا ، شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اے پیارے محبوب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ سونے کی کیمیا ہر بوڑھی عورت کی جھونپڑی میں نہیں ملتی بلکہ یہ انتہائی امیر افراد اور بادشاہوں کے خزانوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ابدی خوشی کی کیمیا بھی ہر جگہ نہیں ملتی۔ بلکہ یہ خدائی خزانے میں پایا جاتا ہے۔ آسمانوں کا خزانہ فرشتوں اور زمین پر انبیاء کے دل ہیں۔ جو شخص ان کی نبوت کے سوا کہیں بھی تلاش کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا اور بالآخر دھوکہ دیا جائے گا۔ کسی کو فضول خیالی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ قیامت کے دن اس کی غربت ظاہر ہو جائے گی۔ پوری مخلوق کو اپنے جھوٹے (جعلی) سکوں کا پتہ چل جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کوئی عقل نہیں تھا۔ آواز سنائی دے گی:

لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ

"تم یقینا اس سے غافل اور لاعلمی میں تھے۔ ہم نے تم سے پردہ ہٹا دیا ہے پس آج تمہاری بینائی تیز ہے (جیسا کہ اس سے پہلے تم سے پوشیدہ تھا) اب تمہاری روشنی میں ہے۔ (سورۃ البقرۃ باب 50، آیت 22)

رحمان رحمتوں میں سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس نے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجے تاکہ وہ اس کیمیا کی تدبیر سکھائیں اور ان سے کہیں کہ وہ دل کا سکہ مصیبت کے انتہاء میں ڈال دیں اور انہیں برے اخلاق کی اصلاح کا راستہ سکھائیں جو دل کی کثافت اور ناپاکی کا سبب بنتے ہیں اور دل کو اچھے اخلاق سے بھرنے کا راستہ بناتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے جلال اور حاکمیت سے اپنے آپ کو تسبیح کی

ہے اسی طرح اس نے انبیاء (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجنے کی صفت قرار دیا اور اسے مخلوق پر اس کا فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ٱلْمَلِكِ ٱلْقُدُّوسِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَكِيمِ ﴿١﴾ هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو بادشاہ پاک ہے غالب حکمت والا ہے۔" وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح جہالت میں تھے (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت 1 تا 2)

[عربی] لفظ "*یوزکیہیم*" [اوپر کی آیت میں] انہی برے اخلاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جانوروں کی صفات ہیں اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پاک کرتے ہیں [یا باطنی تطہیر اور روحانی تبدیلی کے عمل کے ذریعے] پاک کرتے ہیں۔ (عربی) کے الفاظ "*یعلمۃ الکتابہ والحکمتۃ*" [جس کا مطلب ہے "اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے" اسی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان کو فرشتوں کی صفات کا لباس پہنائیں۔ اور کیمیا کا مقصد یہ ہے کہ انسان تمام مضر اور غیر ضروری چیزوں (یعنی تمام باطنی نقائص اور روح کے مضر منفی رجحانات) سے پاک ہو جائے اور [باطنی روحانی] کمال کی صفات سے آراستہ ہو۔ سب سے بڑی کیمیا یہ ہے کہ انسان دنیا سے منہ موڑ لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا ہے:

وَٱذْكُرِ ٱسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

"*ود کرسما ربیکا و تبت الیہ طبلہ*"
"اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور اپنے آپ کو اس کے لیے پوری طرح وقف کرو۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت 8)

[عربی لفظ] "*تبتیلہ*" [مندرجہ بالا آیت میں] کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے الگ ہونا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل طور پر تسلیم خم کر رکھنا۔ یہ اس کیمیا کی مختصر تفصیل ہے [ابدی خوشی اور کبھی نہ ختم ہونے والی کامیابی]۔ اس کی تفصیلات لمبی ہیں اور ان کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن اس کا عنوان چار چیزوں کو جاننا ہے، [اور] اس کے بنیادی عناصر چار معاملات کو جاننا ہیں، اور ہر لازمی عنصر کے دس بنیادی اصول ہیں۔

[ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے اس کیمیا] کے چار عنوانات یہ ہیں:

(1) اپنے نفس کو جاننا،
(۲) خدا کو جاننا،
(۳) دنیا کی حقیقت کو جاننا، اور
(۴) آخرت کی حقیقت کو جاننا۔

مندرجہ بالا چار باتوں کو جاننا دراصل اسلام کو جاننے کا عنوان ہے (یعنی خدا کی مرضی کے سامنے سرتسلیم خیم)۔ لیکن اسلام کے بنیادی عناصر کے معاملات چار ہیں۔

دو ضروری عناصر کا تعلق بیرونی نفس ("*ظہیر*") سے ہے اور دونوں کا تعلق باطن نفس سے ہے۔

بیرونی نفس سے متعلق دو ضروری عناصر یہ ہیں:
(۱) خدا کے احکام کی اطاعت کرنا۔ ان کو عبادات کہا جاتا ہے۔
(۲) اپنی نقل و حرکت اور معاش کے معاملے میں ان کو مدنظر رکھنا۔ ان کو [معاشرتی] معاملات ("*معملت*") کہا جاتا ہے۔

باطنی نفس ("بیٹن") سے متعلق دو ضروری عناصر یہ ہیں:

(۱) دل کو تمام برے اخلاق جیسے غضب، کنجوسی، تکبر، تکبر، نفس راستبازی وغیرہ سے پاک رکھنا۔ ان اخلاقیات کو ایمان کی راہ میں "منفی یا باطنی برائیاں یا روح کی تباہی" اور "*عقبات*" (تاریک اور تنگ جگہیں جہاں لوگ ڈاکوؤں کا شکار ہوتے ہیں) کہلاتے ہیں۔
(۲) دل کو صبر، شکرگزاری، محبت، امید، خدا پر توکل وغیرہ جیسے اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا۔ ان اخلاقیات کو "*منجیات*" کہا جاتا ہے (روح کی تمام اعلیٰ باطنی خصوصیات جو اسے نجات، خوشی، حقیقی [ابدی] خوشی اور [ابدی] کامیابی لاتی ہیں)۔

چار ضروری عناصر میں سے پہلا جس میں عبادت کا ذکر ہے وہ دس بنیادوں پر مشتمل ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) اہل سنت کے *عقائد کے معاملے میں* (یعنی وہ لوگ جو صحیح روایتی طریقہ کار پر عمل پیرا ہیں جو ہر سطح پر [ظاہری زندگیوں، باطنی ایمان اور روحانیت کے چلنے] کی ایک اٹوٹ زنجیر اور مصدقہ علمیت پر انحصار کرتے ہیں جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں)،
(۲) علم حاصل کرنے کے معاملے میں،
(۳) صفائی (یا ظاہری پاکیزگی) کے معاملے میں،
(۴) دعا کے معاملے میں،
(۵) زکوٰۃ (یا واجب الادا صدقہ) کے معاملے میں،
(۶) روزے کے معاملے میں،
(۷) حج *کے معاملے میں (*حج مکہ مکرمہ میں جو زمین پر خدا اور اس کی رحمت کی علامت ہے)
(۸) تلاوت قرآن کریم کے معاملے میں،
(۹) خدا کے ذکر اور دعاؤں اور دعاؤں کے معاملے میں اور
(۱۰) لٹینیوں کا انتظام کرنے کے معاملے میں [اپنی تمام ضروریات کے لیے خدا سے دعا مانگنے کے لیے]۔

[تمام لوگوں کے ساتھ] باہمی معاملات سے متعلق دوسرا لازمی عنصر بھی دس بنیادیں [یا اصول] رکھتا ہے:
(۱) کھانا کھانے کے آداب،
(۲) نکاح کے آداب
(۳) تجارت اور پیشوں کے آداب،
(4) حلال کی تلاش کے آداب [اور ناجائز سے پرہیز کرنا]،
(۵) رفاقت کے آداب،
(۶) تنہائی کے آداب
(۷) سفر و سفر کے آداب،
(۸) تلاوت کے آداب (*"سماع"* یا خدا کی محبت اور حسرت سے متعلق عبادت) اور [اس کے نتیجے میں] وجد،
(۹) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے آداب اور
(۱۰) حکمرانوں اور حکمرانوں کے لیے آداب۔

"ملیکت*" (یا روح کی تباہ کن برائیوں سے) سے متعلق تیسرا لازمی عنصر بھی دس بنیادیں [یا اصول] ہیں:*
(۱) نفسی نظم و ضبط کے آداب [اور نچلے نفس کی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کے لیے روحانی مشقیں]،
(۲) کھانے پینے اور جسمانی لذتوں میں زیادتی کے علاج کے آداب،
(۳) ضرورت سے زیادہ بات کرنے اور زبان کی برائیوں کے علاج کے آداب،
(۴) غصے اور تکبر اور جھوٹی عزت کے علاج کے آداب،
(۵) دنیا کی محبت کے علاج کے آداب،
(۶) جائیداد اور مال کی محبت کے علاج کے آداب،
(۷) شان و شوکت کے علاج کے آداب (نفس کی تسبیح اور خود کو بڑھانا)،
(۸) دکھاوے اور منافقت کے علاج کے آداب،

(۹) تکبر اور راستبازی کے علاج کے آداب، اور
(۱۰) تکبر اور غفلت کے علاج کے آداب۔

منجیات سے *متعلق چوتھا لازمی عنصر* (یا روح کی اعلیٰ باطنی صفات جو اسے نجات اور سعادت لاتی ہیں) سے متعلق ہے اس کی بھی دس بنیادیں ہیں:
(1) توبہ کرنا اور اللہ سے معافی مانگنا۔
(۲) صبر اور شکر ادا کرنا،
(3) [خدا سے] ڈرو اور [خدا سے] امید رکھو،
(۴) فقر [یا خدا کے سامنے مطلق محتاجی کی حالت] اور تپسیا
(۵) نیت، اخلاص اور سچائی،
(۶) عقیدت اور خود احتسابی،
(۷) [روحانی] غور و فکر (یا "*مرقبہ*" یا اپنے دل پر خدا کی نگاہ پر غور و فکر اور خود کی عکاسی اور تنقیدی خود تشخیص)،
(8) خدا کی وحدانیت اور خدا پر توکل کرنا،
(۹) خدا سے محبت اور
(۱۰) موت اور اس کی یاد (یا چیزوں کو صحیح تناظر میں رکھنے کے لیے اپنی ناگزیر موت اور اپنے دنیاوی وجود کے خاتمے پر غور کرنا)۔

یہ کتاب "کیمیا سعادت" یا "کیمیا یا تبدیلی کا تبدیلی کا ایجنٹ" کتاب کے *بنیادی اصولوں کی فہرست ہے*۔ ہم ان چار عنوانات اور چالیس اصولوں کو واضح طور پر بیان کریں گے اور اپنے قلم کو مشکل جملوں اور پیچیدگیوں میں الجھنے سے روکیں گے تاکہ یہ کتاب آسانی سے قابل فہم ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص تحقیق کرنا چاہتا ہے یا پیچیدگیوں کی گہرائی میں جانا چاہتا ہے وہ ہماری عربی کتابوں جیسے *"احیاء العلوم الدین*" یا "علم الٰہی کی احیاء"، "*جواہر القرآن*" یا "جواہرات قرآن" یا اس نظم و ضبط پر دیگر تالیفات سے رجوع اور مطالعہ کر سکتا ہے۔

غزالی اس کیمیا کے چار عنوانات (یا تقاضوں) اور چالیس اصولوں کی حیرت انگیز وضاحت پیش کرتی ہے یا ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کے تبدیلی کے ایجنٹ کو پیش کرتی ہے۔ امام غزالی نے اپنے چار جلدوں پر مشتمل حکمت کے مجموعے *"احیاء العلوم الدین*" یا "خدا کی راہ کا احیاء" میں انہی چالیس اصولوں کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "*کیمیا سعادت*" یا "کیمیا یا تبدیلی کا ایجنٹ" ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے تعارف کے بعد کیمیا کے چار تقاضوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ غزالی نے ابدی نعمت اور لامتناہی کامیابی کے حصول کے لیے پہلے عنوان یا ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

اپنے آپ کو جاننا

پیارے محبوب! ہوشیار رہیں کہ اپنے نفس کو جاننا خدا کے ادراک کی کلید ہے۔ اس لیے اس نے یہ طے کیا ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

سَنُرِيهِمْ ءَايَٰتِنَا فِى ٱلْءَافَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ ٱلْحَقُّ

"ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے دور کائنات میں اور ان کی جانوں میں، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 41، آیت 53)

پیارے محبوب! اس ساری دنیا میں آپ کے اپنے نفس سے زیادہ کوئی چیز آپ کے قریب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آپ اپنے وجود یعنی اپنے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کریں گے تو آپ اور کس چیز کو بیکار تلاش کرنے کی کوشش کریں گے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ 'ہم اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں اور پہچانتے ہیں' تو یقینا آپ غلطی پر ہیں، کیونکہ اس طرح کا علم کسی کام کا نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی بھی حالت میں گنوسس (*"معارفہ"*) کی کلید نہیں ہو سکتی، جو خداوند اعظم اور کائنات کے مالک (یعنی خدا) کے علم کی انسانی کوشش کی کوشش کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس طرح جانور بھی اپنے بارے میں جانتے ہیں۔ وہ بھی اپنے جسم کے ایسے اعضاء کو پہچان سکتے ہیں جیسے ان کا سر، ان کا منہ، ان کے ہاتھ، ان کے پاؤں اور ان کا گوشت وغیرہ، جب کہ آپ اپنے دوسرے نفس کو اس حد تک جانتے ہیں کہ جب آپ بھوک لگے تو کھانا کھاتے ہیں، کسی ایسے شخص سے لڑتے ہیں جس سے آپ ناراض ہوتے ہیں اور جب جسمانی خواہشات کی خواہش آپ پر غالب آجاتی ہے، آپ شادی میں داخل ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا، آپ اور ان جانوروں میں کیا فرق ہے؟ درحقیقت، آپ کو جو جاننا چاہیے وہ یہ ہے کہ آپ کیا ہیں، آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے؟ تم یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ تمہیں خداوند نے کس مقصد کے لیے پیدا کیا تھا؟ مختصر یہ کہ آپ کے لیے کیا اچھا ہے اور آپ کے لیے کیا برا ہے؟

یہاں تک کہ پرندے اور درندے بھی شیطان کی کچھ خصوصیات کے علاوہ آپ کی خصوصیات سے مالا مال ہیں۔ پھر بھی ، آپ کے کردار کی ایسی خصوصیات ہیں جن میں آپ اور فرشتے برابر ہیں۔ پھر آپ کی عارضی اور مستقل خصوصیات کیا ہیں؟ آپ کی ابتدا کیا ہے، جوہر کیا ہے؟ لہذا، جب تک آپ اپنے بارے میں ان اہم 'بنیادوں' پر گرفت نہیں کرتے، آپ برکت کا درجہ حاصل نہیں کر پائیں گے۔

ان میں سے ہر ایک کی اپنی الگ 'خوراک' ہوتی ہے جو اس کی پرورش کرتی ہے، برقرار رکھتی ہے اور اس کی نشوونما کو فروغ دیتی ہے، جس کے نتیجے میں نیکی اور قابل تعریف رویے کو فروغ ملتا ہے۔ جانوروں کی بہتری ، جیسا کہ کوئی مشاہدہ کرے گا ، کھانے ، پینے اور صحت مند اور مضبوط ہونے میں مضمر ہے۔ لہٰذا اگر آپ بھی جانور ہیں تو آپ کو دن رات ان کی چالوں پر چلنا چاہیے، پیٹ بھر کر اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنی چاہیے۔

حملہ اور قتل جنگل کے جانوروں کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ یہ فطری طور پر ان کے لئے ایسا کرنے کے لئے مناسب ہے ، جبکہ برائی ، اس کے اثرات ، بد اعمال ، اور غداری شیطان کی نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ لہذا ، اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ بھی ان شیطانوں میں سے ایک ہیں تو ، آپ کو ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے دل کو خوش کرنا چاہئے۔ دوسری طرف جانوروں اور درندوں کے برعکس خدا کی شان و شوکت کی تلاش فرشتوں کی روحوں کی خوراک ہے۔ اور اگر آپ فرشتوں میں سے ہیں تو ، آپ کو ، ان کی طرح ، خدا کے جلال کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے ، تاکہ آپ اپنے ساتھی انسانوں پر غیر اخلاقی جنسی لذتوں اور تکبر کے غصے سے آزاد ہوجائیں۔

پھر روح کو اپنے اندر جکڑو، اپنے اندر سچائی کی تلاش کرنے کے لیے۔ ایسا اس لگن کے ساتھ کریں تاکہ آپ کو احساس ہو جائے کہ خدا نے آپ کے درمیان ، جانوروں ، شکاری پرندوں اور درندوں کے درمیان جو یکساں خصوصیات پیدا کی ہیں وہ عام بھلائی کے لئے ہیں ، اس لئے نہیں کہ آپ بھی وحشی اور ظالم بن جائیں۔ جانوروں، پرندوں اور درندوں کو آپ کی خدمت کے لیے بنایا گیا ہے۔

خدا کے بارے میں بصیرت رکھنے والے اور جاننے والوں نے اس مرتبہ کو 'خدا کی راہ میں اور خدا کے سامنے ہونے' *کا نام دیا ہے*۔ لوگ (یعنی عام لوگ) اسے جنت کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ آپ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ میں جو عظیم اور نیک باطنی فضیلت پیدا کی گئی ہے اس سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں تاکہ آپ اس کی معرفت حاصل کر سکیں۔ یقینا وہ بدقسمت شخص ہوتا ہے جو دین کی قدر جاننے کے باوجود اس سے دور رہتا ہے۔

پیارے محبوب! اگر آپ خلوص دل سے اپنے باطن میں بصیرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو چیزوں سے پیدا کیا ہے، یعنی بیرونی ساخت، جسم جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور باطن جسے *نفس* کہتے ہیں، قلب یا روح کہتے ہیں۔ تاہم ، انہیں *'باطن'* (باطنی) کی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے ، یعنی ، دوسرے مرئی ، غیر واضح نفس کے ذریعے۔ یہی سچائی اصل چیز ہے، ناقابل تسخیر بنیاد، وجود کا بنیادی مفہوم ہے۔ باقی تمام چیزیں اس کے تابع ہیں (یعنی دل کے تابع)۔ لہذا جب ہم اپنے دل کی بات کرتے ہیں تو ، ہمارا مطلب واقعی سچ ہے۔ بعض اوقات اسے روح (روح) کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے نفس کہا جاتا ہے۔ *قلب* کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کے جسم کے

بائیں جانب موجود گوشت کا گٹھا جو جانوروں کے پاس بھی ہے اور یہاں تک کہ مردہ کے پاس بھی ہے۔ یہ *قلب* یعنی دل بنی نوع انسان کے لیے حقیقی ناقابل تردید حقیقت ہے۔ یہ وہ منفرد، حقیقی اور بنیادی سچائی ہے جو اگرچہ ظاہر ہے، لیکن انسانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس کا تعلق اس دائرے سے ہے جسے *'شہادت'* کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بلند ڈومین ہے۔ اس سے نیکی اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ نکلتی ہے!

گوشت کا یہ گانٹھ، دل، جسم کا نائٹ سوار ہے۔ باقی جسم اس کے دستے ہیں یا اس کے احکامات کے تابع ہیں۔ دل بادشاہ اور اس فورس کا کمانڈر ہے۔ اس کا بنیادی فریضہ *"معارفہ"* یا خدا کی معرفت کا حصول، اس کی اعلیٰ نعمتوں کا ادراک اور حصول ہے جو اس کی طرف سے انسان کے دل میں عطا کی گئی فطری خصوصیات کی وجہ سے ہے۔ یہ اس کی محبت میں دھڑکتا ہے۔ ہر وقت یہ آواز اٹھاتا ہے، اس کی حمد پڑھتا ہے، کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ صرف وہی ہے، جو مسلسل آواز میں ہے، اپنے لوگوں پر رحم کرنے یا سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ بدلہ اور جزا صرف اس کا استحقاق ہے، صرف وہی برکت دے سکتا ہے یا روک سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کی معرفت یا معرفت کے حصول کے لیے دل و جان سے کوشش کرنا اس مقصد کی کلید ہے۔

اے پیارے محبوب! آپ کو سمجھنا چاہئے کہ آپ کو اس کا اندازہ کرنا چاہئے ، کیونکہ آپ کا نفس ایک انمول جواہر ہے۔ اس میں فرشتہ کی رشتہ داری ہے۔ سب سے اونچا عروج اس کا آسمان ہے۔ یہ خدا کے حتمی مقصد کی راہ پر گامزن ایک نیک مسافر ہے۔ زندگی کے اس مختصر سفر میں ، یہ ہر وقت [اپنی آخری اور حتمی منزل کی طرف] سفر کرتے ہوئے تجارت اور زراعت اور دیگر پیشوں میں رہتا ہے۔

پیارے دوست! سمجھ لیں کہ جب تک آپ اپنے اندر ایک نظر نہیں ڈالیں گے آپ دل کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ ایک بار جب آپ دل کو سمجھ لیں تو ، اس کے بعد آپ کو اس کی فوج ، یعنی اس کی ناقابل تسخیر طاقت کی تلاش کرنی چاہئے۔ پھر *"معارفہ"* (یا خدا کی گنوسس) اور *"سعدہ"* (یا ابدی خوشی اور ابدی کامیابی) کے درمیان تعلق کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ دل کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، سطحی جسم کے مقابلے میں، جو لکڑی کے فریم کی طرح ہے، محض ایک غیر فعال انفراسٹرکچر۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ مردوں کی طرح ہے۔ *"قلب"* یعنی دل سے ہماری مراد روح کی صداقت ہے۔ روح کے بغیر ، جسم مردہ اور لاشہ ہے۔ اگر کوئی تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لے اور اپنے جسمانی وجود کے تمام خیالات کو دور کر دے، جو پہلے پوری طرح نظر آتا ہے اور اپنے نفس، اپنی روح کی تلاش میں مگن ہو جاتا ہے، تو اسے اپنی جستجو مل جائے گی۔ درحقیقت، اصل جستجو دل کی ہے۔ یہ آخرت میں سے ایک کو بھی آگاہ کرے گا۔ اس کے برعکس جو کچھ بھی ہے اسے چھوڑ کر ، ایک ہی وقت میں دل کی بے قاعدگی کا احساس ہوگا۔

'دل' کیا ہے؟ دل کی خصوصیات کیا ہیں؟ الٰہی قانون اس کی علمی بحث کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام نے اس مسئلے پر بحث نہیں کی جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات کا اعلان کیا:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى

"اور وہ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو روح میرے رب کا حکم ہے۔ (سورة البقرة سورة البقرة القرآن آیت نمبر 85)

أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ ۗ

"دیکھو تخلیق اسی کے لیے ہے اور امر اسی کا ہے۔" (سورة البقرة سورة البقرة آیت ۵۴)

"خلق" کے *دائرے میں*، تخلیق اور "*عمرو*" کے دائرے میں، آرڈینیشن ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ "*خلق*" (تخلیق)، طول و عرض کی پیمائش کے عناصر، مقدار اور کمیت قریب ہیں۔ لغت میں ، "*خلق*" (یا تخلیق) کا مطلب تخمینے سے مراد ہے۔ لیکن انسانی دل کو اس آزمائش میں نہیں ڈالا جا سکتا، کیونکہ وہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ اگر دل تقسیم کیا جاسکتا ہے تو ، بنیاد اچھی ہوسکتی ہے ، جس کے ذریعہ یہ ایک وقت میں کسی مسئلے پر یا تو ایک رشی یا مکمل نوسکھئیے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کا بیک وقت عالم اور *جاہل* ہونا ناقابل تصور ہے۔ اس کے

برعکس ، اگرچہ روح ("*روح*") خدا کی طرف سے پیدا کی گئی ہے ، لیکن یہ بھی مکمل طور پر ناقابل تقسیم ہے ، اور نہ ہی اس کا ماس کے کوڈ ، پیمائش ، یا مقدار سے کوئی تعلق ہے۔ "عمرو" (حکم) خدا کی مرضی ہے، ظاہر اور سب سے اہم ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ نفس کو دور اور دور کی چیز سمجھتے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ دائرہ ، جو محدود ہے ، کس طرح حد اور اختیار کے تابع نہیں ہوسکتا ہے؟ جب روح واقعی حقیقی اور غالب ہے تو ، جسمانی فریم ، جسم روح پر کیسے غالب آسکتا ہے؟ اس طرح ، روح "*آرڈ*" یا اسپین کیسے ہوسکتی ہے؟

اسی طرح جن لوگوں نے روح کو جسم کہا ہے، وہ خود سے متضاد ہیں اور اس طرح دھوکہ دہی کا شکار ہیں۔ یقینا جسم کو ٹکڑوں میں بکھر سکتا ہے لیکن روح کو نہیں، جو اوپر بیان کردہ ناقابل تقسیم ہے۔ اس مسئلے پر ایک باریک نکتہ اٹھاتے ہوئے ، جانوروں میں روح کو اس کے آخری خدشات میں ختم ہونا چاہئے لیکن حقیقی روح جسے ہم دل کہتے ہیں ، خدا کی گنوسس کا عظیم مقام ہے ("*معارفہ*") لیکن جانور اس [دوسری روح] سے محروم ہیں۔ روح نہ تو جسمانی جسم ہے اور نہ ہی اسپین بلکہ ایک خالص فرشتہ جواہر ہے جس کی تشخیص مشکل ہے ، اس کو بڑھانے یا بڑھانے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص اس کے بارے میں صرف مقررہ پیرامیٹرز کے اندر ہی مناسب معلومات حاصل کر سکتا ہے:

وَٱلَّذِينَ جَـٰهَدُوا۟ فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ

"جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنی راہوں کی راہ دکھائیں گے۔" (سورۃ البقرۃ البقرۃ القرآن آیت نمبر 69)

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ

"تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" (سورۃ البقرۃ باب 74، آیت 31)

مذکورہ بالا قرآنی آیات واضح طور پر اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ دل کو آخرت کے لیے خاص طور پر مختص کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تڑپ اس کا مقصد ہے۔ یہ نعمتیں خدا کی گنوسس پر منحصر ہیں۔ کسی کو کسی کی مصنوعات سے مصنف یا کسی چیز کے پروڈیوسر کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کے سمجھدار حواس انسان کو ان کی قدر کا اندازہ لگانے میں مدد کرتے ہیں۔ دنیا کے عجائبات کے خالق کے عظیم تخلیقات، ہر ایک اپنی خوبصورتی میں بے مثال اور منفرد ہے، تاہم، انسان میں تمیز کی خارجی اور داخلی صلاحیت کی ذہانت کے ذریعے ہی ان کی شاندار دلکشی کے لیے ان کی تعریف اور تعریف کی جا سکتی ہے۔ ادراک اور دخول کی ظاہری صفات اس کے برعکس بنیادی طور پر جسمانی افعال ہیں، لیکن دل کا اصل مقصد "*معارفہ*" یا خدا کی معرفت ہے جو سطحی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح جسم کی حسی صلاحیتیں پھندا (یعنی "حیوانی روح") ہیں ، جبکہ جسم پھندا اور سوار (یعنی حقیقی روح یا "انسانی روح") دونوں کا محافظ اور کیریئر ہے۔ چنانچہ متحد کرنے والا فریم (یعنی جسم) دل کے لیے ایک شرط ہے، جو پانی، مٹی اور گرمی سے بنا ہے۔ لہذا، یہ اتنا مضبوط نہیں ہے۔ یہ باطنی ("*بُٹن*") اور بیرونی ("*ظہیر*") میں مطلوبہ خوراک کی کمی کی وجہ سے موت کے خطرے سے شدید طور پر بے نقاب ہوتا ہے، باطنی اور بیرونی خواہشات کی وجہ سے، درندے جیسے آگ اور پانی جیسے عناصر کی وجہ سے، انسان میں بنیادی ارتقائی اجزاء کے طور پر۔ لہذا ، یہ قدرتی طور پر کھانے کے لئے کھانے اور پینے کے لئے پانی کی خواہش کرتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس نے ان دونوں قوتوں کو ایک طرف جسمانی دشمنوں سے لڑنے کی ضرورت محسوس کی ہے [جو انسانی زندگی اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے خطرہ ہیں] اور دوسری طرف لالچ اور غصے [کیونکہ یہ اور دیگر اندرونی برائیاں روح کی زندگی اور فلاح و بہبود کے لیے خطرہ ہیں]۔ یہ باطنی قوتیں ہیں۔ چنانچہ پہلے روح کا جوہر آتا ہے، پھر اس کی فوجیں اور اس کے بعد باطنی ان شریر قوتوں کے خلاف "جدوجہد" (یعنی خدا کی راہ میں روحانی جدوجہد) آتی ہے۔ لہذا، سب سے پہلے روح کا جوہر آتا ہے [جسے "انسانی روح" بھی کہا جاتا ہے]، اس کے برعکس "حیوانی روح" جو صرف انسانی جسمانی اعضاء اور حواس کی زندگی میں حصہ ڈالتی ہے]، پھر اس کی فوجیں یا قوتیں اور اس کے بعد ان شریر اندرونی قوتوں (یعنی برائیوں اور منفی رجحانات) کے خلاف "جدوجہد" یا جدوجہد کرنا۔

چونکہ غیب چیزوں کو دیکھنا اور جسم اور باطن دونوں کے غیر مرئی دشمن کا تعاقب کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے جسم کے ان حسی اعضاء اور اندرونی حساسیت کی ضرورت ضروری ہو گئی۔ [انسانی حواس] دیکھنا ، سونگھنا ، چکھنا ، چھونا اور سننا جسم کے بنیادی حسی اعضاء ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایک واحد فرض ادا کرتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی گمراہ ہو جائے تو دنیا اور آخرت کے معاملات میں رکاوٹ ڈالے گا باطنی اور بیرونی [انسانی صلاحیتوں] کی یہ قوتیں دل کے کنٹرول میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اعلیٰ حکمت سے انہیں اپنی اعلیٰ رضا کے مطابق دل کے تابع کر دیا ہے تاکہ وہ انسانی جسم کی دیکھ بھال کر سکیں۔ یہ اس لیے ہے کہ دل کو اس کا اجر مل جائے، اپنا شکار حاصل کیا جائے، برکت حاصل ہو اور اس کے نتیجے میں آخرت کے لیے اپنا سودا پورا کر سکے۔ اچھے لوگوں کی یہ قوتیں، فرشتے کی طرح بہت زیادہ عقیدت کے ساتھ خدمت کرتی ہیں، اور گہری خوشی میں خدا کی اطاعت کرنے میں بہت فخر محسوس کرتی ہیں۔ وہ کبھی بھی اس کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتے۔ دل کے بارے میں تفصیلات بہت لمبی ہیں۔

پیارے محبوب! مثال کے طور پر جسم ایک شہر کی طرح ہے، ہاتھ پاؤں اس شہر کے مزدوروں کی طرح ہیں۔ خواہش اس کا بنیادی محرک ہے (یعنی ، اکسانے والا)۔ غصہ شہر کے پولیس چیف کی طرح ہے۔ دل اس کا بادشاہ ہے اور وجہ اس کا وزیر اعظم ہے۔ بادشاہ کو حکومت چلانے کے لئے ان سب کی ضرورت ہے لیکن ہوس ، جو ایک مضبوط محرک قوت ہے ، بری اور اشتعال انگیز ہے۔ دوسری طرف عقل جو ایک عقلمند وزیر اعظم کی طرح ہے، ہمیشہ اس کی مخالفت کرتی ہے تاکہ حکومت کے فنڈز کا غلط استعمال نہ ہو یا غصب نہ ہو۔ غصہ ، جو پولیس چیف کی طرح ہوتا ہے ، ہمیشہ بے ترتیب ، رجعت پسند اور اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ ان حالات میں بادشاہ جو ان سب سے بالاتر ہے، ہر چیز کا مضبوطی سے جائزہ لیتا ہے، اپنے وزیر اعظم (یعنی عقل) سے مشورہ کرتا ہے اور معاملات کو قابو سے باہر نہیں ہونے دیتا ہے۔ یہ واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ خواہش اور غصہ [حدود کے اندر] اپنے اپنے کردار ادا کرتے ہیں ، اور برائی کو کلی میں ختم کرنا بادشاہ کا بنیادی فرض بن جاتا ہے۔ یہ دل کی حیثیت ہے۔

جسم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانا اور پانی فراہم کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ جسم کے خادم ہیں۔ جسم بدلے میں حواس کا بوجھ تھامنے اور برداشت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، یعنی احساسات کے یہ سمجھدار ایجنٹ، اس لیے وہ جسم کے خادم کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ حواس یا حسی صلاحیتیں خدا کی حیرت انگیز ، حیرت انگیز تخلیقات کی سمجھ بوجھ اور حقیقی تعریف کے لئے حقائق کو سیکھنے اور جذب کرنے کی وجہ کے نگران ہیں۔ عقل ، اپنی طرف سے ، ان کی مشعل بردار ، چمکتی ہوئی راہ تلاش کرنے والے کے طور پر کام کرنے کے لئے ہے - انسان کو الہی خوبصورتی کی انوکھی شان سے لطف اندوز ہونے کے قابل بنانے کے لئے رہنما - خدا کی خوبصورتی کے برابر ، اس کائنات میں جو کچھ اس نے تیار کیا ہے اور اس کا ڈیزائن کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ (یعنی حسن الٰہی کی گواہی) "قلب کا عد" ہے تو عقل (یا "*عقل*") اس کا بندہ ہے۔ جیسے ہی انسان کا دل اس طرح مسحور ہو جاتا ہے اور اس کے جلال سے مسحور ہو جاتا ہے، وہ خدا کا بابرکت بندہ بن جاتا ہے۔ اس کی تصویر مندرجہ ذیل آیت مقدس میں دی گئی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

"میں نے *جنوں* اور انسانوں کو صرف میری عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔" (سورة البقرة باب 51، آیت 56)

خدا نے انسان کو دل اور اس کی بادشاہی دی ہے تاکہ وہ اس پر حکمرانی کرے۔ اس نے ایک کو فوج فراہم کی - ایسا کرنے کے لئے طاقت ، سواری کا سامان بھی ، تاکہ کسی کو عظمت کے اعلی دائروں تک پہنچایا جاسکے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس اعلیٰ مقام کی عظمت پر قائم رہنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کی پاسداری کرنا چاہتا ہے، ایک عاجز بندے کی طرح اس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دل و جان سے اس کی عبادت کرے اور اس کے لیے مقرر کردہ راستے پر چل پڑے۔ ان حالات میں ، کسی کو اپنے آپ کو بادشاہ کے تخت پر بٹھانا چاہئے اور خدا کی حضوری میں ہونے کو اپنا حتمی مقصد بنانا چاہئے۔ انسان کو اپنے دل کی پیروی کرنی چاہیے، نیک اعمال کرنا چاہیے اور آخرت کو اپنا حقیقی دائمی مسکن سمجھنا چاہیے۔ اس طرح، کسی کو اس دنیا کو عارضی سمجھنا چاہیے، زندگی کے سفر کے لیے ایک عارضی گزرگاہ، خدا کے ساتھ آخری ملاقات کے لیے۔ جسم کو سوار پہاڑ، ہاتھ اور پاؤں خادم، وزیر اعظم کی عقل اور دنیاوی امور کی نگرانی کرنے والا سمجھنا چاہیے۔ کسی کو غصے کو سخت جج کے طور پر لینا چاہئے اور اپنے خدا کے تحفے والے پانچ حواس کو اپنے انٹیلی جنس ایجنٹ کے طور

پر استعمال کرنا چاہئے۔ اسی طرح کسی کو اس طرح حاصل ہونے والے شواہد کو چھانٹنے اور اپنے راستے میں آنے والے تمام برے نقصانات اور خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے دماغ کو استعمال کرنا چاہئے۔ وزیر اعظم، جو عقل ہے، کو بھی اسی طرح اس بات کی نگرانی کرنی چاہیے کہ سب کچھ اس کے دائرہ کار میں ہے اور اس کی طاقت، اس کی فوج اس کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ کسی کو ایسا منصوبہ بنانا چاہیے تاکہ کسی کی ذمہ داری امن کی پناہ گاہ رہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی بھی شخص خدا کی طرف سے نعمت اور بھرپور انعامات کا مستحق ہوگا۔ یہاں تک کہ جلد ہی کوئی کامیابی کا تاج پہن لے گا جس کا وعدہ اس نے ایمانداروں سے کیا تھا۔ ورنہ ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جنہوں نے سب کچھ کھو دیا۔ ایسے بدبخت کو سزا دی جائے گی اور اس کا بدلہ لیا جائے گا۔

اس کے نتیجے میں ، کسی کو یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ ہر شخص کا براہ راست تعلق باطن ، روح کی قوتوں سے ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ، کسی کو خاص خصوصیات اور خصوصیات سے نوازا جاتا ہے۔ بری خوبیاں اور خصوصیات کسی کو برباد کر دیتی ہیں، جبکہ اچھی خوبیاں خوش قسمت کی بلندیوں پر اٹھاتی ہیں۔ اگرچہ کثیر الجہتی ہے ، لیکن ان میں سے چار مزاج (یا اندرونی صفات) کو انسان میں بنیادی زمرے کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے:

1) [جنگلی وحشی] درندوں کی خصوصیات،
2) فرشتہ کی خوبیاں ،
(۳) شیطانی برائیاں
4) جانوروں کی خصلتیں۔

مثال کے طور پر، انسانی لالچ انسان کو ناپاک محرکات کا نشانہ بناتا ہے جبکہ عام خواہشیں، جیسے کھانے پینے، اور قدرتی جنسی جبلتوں کی تکمیل کا سہارا لینے کی خواہشیں، جو جانوروں کے پاس بھی ہیں، دونوں کے لیے مشترک رہتی ہیں (یعنی انسانوں اور جانوروں کے درمیان)۔ دوسری طرف ، جسمانی تباہی کے ذریعہ اپنے دشمن پر حملہ کرنے اور اسے الگ کرنے کی انسان کی [وحشی] درندے جیسی خصوصیات ، ایک بے قابو غصے سے پیدا ہوتی ہیں ، جس کے نتیجے میں سنگین جھگڑے ، چھوٹے جھگڑے اور بہتان تراشی اور ان کو گالیاں دینے میں پیدا ہوتی ہیں جن کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا۔

اس کے برعکس ، عقل ، انسان میں حکمت انسان کو اچھائی کرنے اور برے کو روکنے کے بنیادی مقصد کے ساتھ سیرافی اعمال کرنے پر آمادہ کرتی ہے ، تاکہ خدا کو خوش کیا جاسکے۔ ایسا شخص لوگوں کی تعلیم (آگاہی اور روشن خیالی) کو فروغ دیتا ہے، بہت سے طریقوں سے ان کی مدد کرتا ہے اور عام طور پر اپنے ساتھی انسانوں کے لیے خدمت کرنے والا فرشتہ ہوتا ہے۔ انسان حق الٰہی کی قدر کرتا ہے اور جہالت اور برے سلوک کو غلط اور ناپسندیدہ سمجھتا ہے۔

اس طرح ، کردار کے ان خاص جھکاؤ کو وسیع پیمانے پر بدمعاش شکاری جیسے رجحانات ، سور جیسے طریقوں ، شیطانی برائیوں اور فرشتہ کی عادات کے ساتھ علامت بنایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ، کتا دیکھنے میں بدصورت نہیں ہے ، لیکن عادت کے مطابق بے قابو ہونے کا موزوں ہے۔ اتنا زیادہ کہ بعض اوقات یہ اپنی نوعیت پر شروع کردیتا ہے۔ اسی طرح ، سور مخلوق میں سب سے بدصورت نہیں ہے ، لیکن گندی اور ناپاک چیزوں کے لئے اس کے پوشیدہ جنون کی وجہ سے عام طور پر اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ سور کا لفظ ہی ایک سخت لفظ ہے اور ایک ناپسندیدہ لفظ ہے۔ شیطان اور کتا ایک جیسے ہیں۔ انسان میں بھی یہی خصوصیات ہیں۔ "شیطانی صفات" سے یہی مراد ہے۔ اس کے برعکس "فرشتہ کی خصوصیات" ہیں۔ ان اصطلاحات کا مطلب ہے بالترتیب شیطانی ہونا یا فرشتہ کی طرح ہونا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر شخص میں شیطان موجود ہے۔ میں بھی اس سے محفوظ نہیں ہوں لیکن اللہ نے مجھے اس پر غالب کر دیا ہے وہ (یعنی شیطان) [میرے مقابلے] بے بس ہے۔

اسی طرح انسان کے احکامات اور ذمہ داری ہے کہ وہ ہوس اور فحاشی کے سور اور قتل عام اور وحشی غضب کی لعنت پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہر برے اور برے کا مقابلہ کرے۔ بلاشبہ جو شخص

ایسا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اجزاءات سے نوازا جائے گا جو اس طرح کے شاندار رویے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بد اخلاقی کی مکروہ عادتیں انسان کو بدقسمتی اور خدا کی طرف سے عذاب کی طرف لے جائیں گی۔

ایسے شخص کی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کوئی اپنے آپ کو کتے ، سور ، یا شیطان کے سامنے ہاتھ کڑی لگا کر کھڑا پاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی مومن کو کسی کافر کے حوالے کر دیا جائے تو اس کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا وہ واضح ہے۔ اور اگر کوئی فرشتہ، لعنتی یا شیطان کے حوالے کر دیا جائے تو اس کی حالت مومن سے بھی بدتر ہو گی۔ کسی کو انتہائی مایوسی اور غم کی بات یہ ہے کہ دنیاوی غضب کی صفت سے انسان اپنے آپ کو ایک خوفناک شکاری یا بھیڑیے کی شکل میں پائے گا اور جو شخص ہوس کا شکار ہو گیا ہے وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو سور کی شکل میں دیکھے گا۔ اگر کوئی بھیڑیا خواب میں اسی طرح دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص ظالم ہے۔ سور کے معاملے میں ، کوئی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ گندا اور ذلیل ہے۔ کوئی شخص ان سے اور ان کی طرح جتنا دور ہوتا ہے ، اتنا ہی اس کا عمومی رویہ اور باطن اس کے مطابق ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح برتاؤ کرتا ہے۔

اب جب ہم باطنی نفس کے نظم دینے والوں کے بارے میں جانتے ہیں تو اپنی نظریں اپنے باطن پر ڈالیں اور خود ہی اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ ان میں سے کس نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے اور آپ کہاں ہیں۔ ہوشیار رہیں کہ آپ کے اعمال اور اعمال آپ میں اسی طرح کی کردار کی خصوصیت پیدا کریں گے جو آپ کو بنائے گا یا خراب کرے گا۔ بے شک نیکی کے سوا کچھ نہیں نکلتا اسی طرح اگر تم خواہش کے سور کے فرمانبردار ہو تو تمہارے پاس بے حیائی، بے شرمی، لالچ، خوشامدی، گندگی اور دوسروں کی شرارت پر خوش رہنے کی اسی طرح کی عادات ہوں گی۔ لیکن اگر آپ کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس پر غلبہ حاصل کریں گے تو آپ کو قناعت و عنایت، حکمت، تقویٰ اور بے لوثی وغیرہ کی صفات سے نوازا جائے گا۔

اگر آپ کو خوف اور خوف کے شکاری نے گھیر لیا تو آپ میں جو نقصان دہ [باطنی] خصلتیں پیدا ہوں گی، وہ جلد بازی اور نتائج سے بے پرواہ، ناپاکی، شیخی مارنا، تکبر، اپنی غلطیوں کو بے دریغ ظاہر کرنا، دوسروں کو طعنہ دینا اور اذیت دینا، دوسروں کے ساتھ جھگڑا کرنا اور جھگڑا کرنا ہوں گے۔ اس کے باوجود ، اگر آپ تباہی کے اس کتے پر غالب آجائیں گے تو ، آپ کو صبر ، استقامت ، معافی ، استحکام ، بہادری ، سکون اور پاکیزگی (اندرونی پاکیزگی) کی اضافی خصوصیات حاصل ہوں گی۔

اسی طرح اگر تم شیطان کی اطاعت کرو گے جس کا بنیادی کام شیطان اور کی مدد کرنا اور ان کی مدد کرنا، لوگوں کو اس کے مذموم عزائم سے گمراہ کرنا، پریشانی پیدا کرنا، بددیانتی اور ملاوٹ وغیرہ کا سہارا لینا ہے تو تم خود اس سے یہ شیطانی صفات وراثت میں حاصل کرو گے۔ لیکن اگر تم اس کی چالوں میں نہ آ کر اسے شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ اور اپنی عقل و نیکی کی قوتوں کو مضبوط کرتے رہو تو تمہیں حکمت، معرفت، علم، گہری دانش، قابلیت اور ایک خوبصورت باطنی کردار اور ظاہری رویہ ملے گا")۔ یہ عظیم خصلتیں آپ کے مستقل ساتھی اور رہنما ہوں گی۔ وہ آپ کی خوش قسمتی کے بیج ہمیشہ کے لئے آپ کی اچھی یادوں کی حقیقی بنیاد کے ساتھ بوئیں گے۔

اس کے برعکس برے اعمال کو گناہ یا برائیاں کہا جاتا ہے۔ ان کے برعکس ، نیک اعمال کو "*عبادت*" یا خدا کی عبادت کہا جاتا ہے۔ دل ایک چمکدار نظر آنے والے شیشے یا پالش شدہ آئینے کی طرح ہے۔ بری راہیں بادلوں اور تاریکی کی مانند ہیں۔ برا کردار دل کے آئینے کو داغدار اور تاریک کرتا ہے۔ اس طرح کا کردار رکھنے والا شخص کبھی بھی خدا کی حضوری یا خدا کی گواہی کی مہربان نعمتیں حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی کو اس کے فضل و کرم کے اعلیٰ نظارے کی برکت سے نوازا نہیں جا سکتا۔ بے شک کردار کی بلند سالمیت روشنی کی مانند ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتبِعَ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا

"برے کے بعد نیکی کرنی چاہیے تاکہ اس کے برے اثرات دور ہو جائیں"۔

یعنی کسی برائی کے فورا بعد نیکی کرنی چاہیے [جو اس بات کا احساس کیے بغیر کیا گیا ہو کہ وہ جہالت، غفلت یا غلط اثر و رسوخ کے تحت کیا کر رہا ہے]۔ وہی برکت والا ہے جو برائی سے پاک ہو کر آئے گا۔ قیامت کے دن انسان کا دل یا تو روشن ہوگا یا سیاہ ہوگا۔ صرف وہی برکت پائے گا جس کا چہرہ چمکتا ہے (دل کی اندرونی خوبصورتی کی نمائندگی کرتا ہے):

إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

"مگر وہ جو اللہ کے پاس سالم دل لے کر آئے (سورة البقرة باب 26، آیت 89)

تخلیق کے آغاز سے ہی انسان کا دل اسٹیل کی طرح پختہ ہوتا ہے جس سے شفاف دل بنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی اس میں پوری کائنات کو دیکھ سکتا ہے ، بشرطیکہ اس کی حفاظت کی جائے اور اسے داغدار نہ ہونے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے:

كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ

"ہرگز نہیں، جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس نے ان کے دلوں پر زنگ آلود کر دیا ہے۔" (سورة البقرة سورة البقرة آیت نمبر 14)

پیارے محبوب! آپ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انسان میں درندوں، شیطانوں اور جانوروں کی خصوصیات اور خصوصیات بھی موجود ہیں تو پھر فرشتہ جیسی صفات کسی کا اثاثہ کیوں ہیں اور دوسری چیزیں عارضی ہیں؟ یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو فرشتوں کا کردار رکھنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور حقیقت میں اس کا دوسری چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ اس کا جواب اس ناقابل تردید حقیقت میں مضمر ہے کہ انسان کو *"اشرف المخلوقات"* یا خدا کی تمام مخلوقات میں سب سے برتر کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح انسان جانوروں اور درندوں سے افضل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جو قد عطا کیا ہے وہ اس کے ساتھ اس کی مہربانی کی انتہا ہے۔ مثال کے طور پر ، گھوڑا گدھے سے بہتر ہے کیونکہ گدھا صرف وزن اٹھاتا ہے ، جبکہ گھوڑا جنگ میں بہادری سے دوڑتا ہے ، حالانکہ اس کی اپنی طاقت میں ، گھوڑا بھی گدھے کی طرح وزن اٹھا سکتا ہے۔ لہٰذا، ان کے درمیان واضح فرق ہے۔ اگر گھوڑے میں یہ خصوصیات اور زیادہ خوبصورت برداشت نہ ہوتی تو اس کا قد بھی تمام ارادوں اور مقاصد کے لیے گدھے کے قد تک کم ہوجاتا۔

اسی طرح کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کھانے پینے اور جسمانی لذتوں کی خواہش پوری کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اس قسم کے لوگ اپنی ساری زندگی اس طرح کے بے سہارا کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف اپنے مخالفین اور اپنے ساتھی انسانوں کو نیچا دکھانے، نیچا دکھانے اور ان پر قابو پانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ فاتح یا مغلوب ، ان پر بالادستی حاصل کرنے کے لئے طاقت کا اطلاق کیا جاتا ہے ، چاہے وہ عرب ہوں ، ترک ہوں یا کرد [یا اس معاملے میں کوئی اور نسل یا نسل]۔ ظاہر ہے ، یہ دونوں نظریات غلط ہیں ، کیونکہ صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات کی مذکورہ بالا زندگی خواہش کے عنصر سے مایوس ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں میں بھی ایسی ہی خواہشات ہیں۔ اونٹ اپنی کیفیت کے لئے مشہور ہے کہ وہ بڑی مقدار میں کھانا اور پانی استعمال کرتا ہے ، جبکہ سور میں ضرورت سے زیادہ جسمانی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ پھر انسان کو ان کے مقابلے میں اعلیٰ مقام کیسے دیا جاتا ہے؟

نیز ، دوسروں پر قابو پانے اور محکوم کرنے کی مہم بڑھتے ہوئے مزاج اور غصے کی وجہ سے ہے۔ یہ قدرتی رجحان ، دلیل دی جاسکتی ہے ، چرنے والے جانوروں اور جنگلوں کی جنگلی مخلوق میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا پھر انسان ان سے برتر کیسے ہے؟ [انسانوں اور جانوروں کے درمیان] فرق اور فرق کہاں ہے؟ اس کا جواب خود وضاحتی ہے کہ اس کے باوجود (یعنی کم بنیادی صفات جو انسان جانوروں کے ساتھ بانٹتا ہے) اس کے مقابلے میں انسان کی نجات کی خوبی یہ ہے کہ انسان کو تمام مخلوقات میں عقل سے نوازا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آقا اعظم یعنی خدا کو بھی پہچانتا ہے۔ یہ کسی کو رضاکارانہ طور پر اس کے دستکاری ، اس کی تخلیقی ذہانت کی تعریف اور تعریف کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس سے کسی کو اپنے جان لیوا دشمنوں، غضب اور لالچ کو شکست دینے میں بھی

مدد ملتی ہے۔ یہ (یعنی غضب ، لالچ اور نچلے نفس کی دیگر بنیادی خصوصیات کی کمی) فرشتوں کی خصوصیات ہیں۔ ان کی خصوصیات ہی پرندوں، درندوں اور جانوروں کی سطح سے اوپر اٹھ جاتی ہیں۔ چنانچہ انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے اور ان پر اس کی برتری واضح ہے۔ یہ سب ایک کے اشارے پر ہیں۔ اشرف *المخلوقات (اشرف المخلوقات)* میں سب سے افضل ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُۚ

"اور اسی نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی طرف سے تمہارے تابع کر دیا ہے۔"
(سورۃ البقرۃ باب ۴۵، آیت ۱۳)

چنانچہ انسان کی عظمت اس کی سالمیت کی عظمت میں مضمر ہے، جس حد تک وہ طے شدہ خوبیوں میں سبقت لے جاتا ہے، تمام کارناموں میں سب سے بڑی کامیابی "*معارفہ*" یا خدا کی گنوسی ہے۔ باقی خصلتیں اس کے مقابلے میں مدھم پڑ جاتی ہیں، حالانکہ انسان کو اس کی شان و شوکت کے لیے بے شمار عظیم محرک قوتیں (صلاحیتیں) عطا کی گئی ہیں۔ اس طرح ، یہ سوچنے کی غذا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو ، [کم بنیاد] خواہش اور غصہ جیسی بری خصوصیات بھی مر جاتی ہیں۔ [موت کے وقت اور اس کے بعد] جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ اعلیٰ معیار کا ایک 'جواہرات' ہے جو خدا کی "*معرفہ*" یا گنوسیس کے ساتھ سیرافک انداز میں سجایا جاتا ہے۔ یہ کسی کا مستقل ساتھی ہے۔ یہ جواہر فرشتوں کا دوست بھی ہے، جو ہمیشہ عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، ہر وقت:

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ

"حق کی نشست پر، ایک قادر مطلق بادشاہ کی حضور۔" (سورۃ البقرۃ باب ۵۴، آیت ۵۵)

یا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی باقیات ایک تاریک اور اندھے چیز ہوتی ہیں جو اپنی برائیوں کی وجہ سے تاریک اور داغدار ہوتی ہیں، لیکن غصے اور تکبر کی عدم موجودگی کی وجہ سے اندھے ہو جاتی ہیں جو [دنیاوی زندگی میں] کسی انا کو تسکین اور تسکین دیتی تھیں۔ اس کے نتیجے میں ، اس کے بعد سابقہ خطے سے وراثت میں ملنے والے اس ادنیٰ دائرے میں رہتا ہے:

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا۟ رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ

"تو گناہگاروں کو اپنے رب کے سامنے جھکے ہوئے دیکھے گا (سورۃ البقرۃ 32، آیت 12)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایسی حالت میں ہوگا جب اس کے نتیجے میں اسے شیطان کے ساتھ "*سجین*" (آخرت کی زندگی کا سب سے نچلے اور سب سے زیادہ تکلیف دہ دائرہ) میں بھیجا جائے گا۔ "سجین" کی اصطلاح کی تشریح سب کو معلوم نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ

"اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ *سجین* کیا ہے؟" (سورۃ البقرۃ سورۃ 83، آیت 8)

دل کی دنیا کے عجائبات لامحدود ہیں۔ جسم کے تمام اعضاء کے مقابلے میں دل کے پاس جو بلند مرتبہ ہے، تقویٰ کا حقیقی مقام اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ دل بذات خود نیا ہے، لیکن زیادہ تر لوگ اس سے غافل ہیں۔ دل کی عظمت اور اس کی تقویٰ دو اہم وجوہات ہیں:

1) "" کی وجہ سے *علم*" یا علم، اور
2) کی وجہ سے "*قدرا*" یا طاقت اور صلاحیت۔

علم کی وجہ سے عظمت دو وجوہات کی وجہ سے ہوتی ہے: ایک سب کو معلوم ہے اور خود واضح ہے اور دوسرا پوشیدہ اور لطیف ہے۔ کوئی بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ علم کو اس کی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ جذب کرنے کی دل کی صلاحیت اور طاقت اس کے دائرہ کار میں ہے۔ اگرچہ یہ ناقابل تقسیم ہے ، لیکن یہ آسانی سے ہندسوں ، ریاضی ، طب ، علم نجوم ، الہی قانون وغیرہ کو پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ اس میں تعلیم کی تمام شکلوں کا احاطہ کیا گیا ہے، جو دل میں اس طرح موجود ہے جیسے صحرا میں ریت ہوتی ہے۔ کچھ ہی عرصے میں یہ اپنی مسلسل حرکت اور دانشمندی کی وجہ سے زمین سے آسمان تک اور مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ اگرچہ یہ زمین پر ہے ، لیکن یہ وسیع افق کے دور دراز علاقوں کی پیمائش کرتا ہے اور کہکشاں کے تمام ستاروں اور مجمع النجوم اور ان کے درمیان فاصلوں سے واقف ہے۔ یہ مچھلی کو ایک ٹیکل کے ذریعے پانی سے نکالتا ہے، پرندوں کو آسمان سے زمین پر گولی مار دیتا ہے، اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی جیسے جانوروں کو کسی کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جسم کے پانچ حسی ادراک اس کا پیشہ ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ سب کسی کے دل کی طرف ہیں۔ وہ روحانی دائرے (روحوں کے دائرے میں) میں تمیز کے دروازے ہیں، دل میں [روحوں کے دائرے کی طرف] ایک دروازہ کھلا ہے۔ دوسری طرف ، زیادہ تر لوگ صرف مادی دنیا (طبعی دائرے) کی پرواہ کرتے ہیں اور ان جسمانی حساسیت کو علم کے حصول کا واحد راستہ سمجھتے ہیں۔

دراصل یہ دونوں دروازے بہت چھوٹے ہیں، اس کے باوجود دل میں بہت سے دروازے ہیں جو کئی طرح کے علم اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے کھلے ہیں۔ ان دونوں احاطے میں سے پہلا فرض لیتے ہیں، یعنی جب کوئی سوتا ہے اور خواب دیکھتا ہے تو یہ حسی اعضاء سوتے ہیں لیکن دل کا دروازہ کھل جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روحوں کے دائرے میں اور "*لوح مہفود*" یا "محفوظ شدہ لوحہ" (یعنی خدا کی کتاب کتاب جس میں ماضی کا علم موجود ہے، حال اور مستقبل)، کوئی شخص اپنی تقدیر کی چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے (جس کے بارے میں خدا پہلے ہی واقف ہے) یا مستقبل میں کیا ہونے والا ہے اس کا پتہ چلتا ہے۔ بعض اوقات ، کسی کو آنے والی چیزوں کے اشارے ملتے ہیں جن کے لئے تشریح طلب کی جانی چاہئے۔ یہ اس حقیقت کے باوجود ہے کہ ، ایک اصول کے طور پر ، یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص جاگتا ہے وہ "*معارفہ*" یا گنوسس کا زیادہ مستحق ہے۔ اس کے باوجود وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ عام طور پر ان حسی ایجنسیوں کے ذریعے ان کے علم *الغیب* (غیب اور غیب کا دائرہ) کی ان چیزوں کو جاننے کا امکان کم ہے۔

ان خوابوں کے موضوع پر معمولی طور پر غور کرنا ممکن نہیں لیکن یہ کہنا کافی ہے کہ دل ایک صاف ستھرے پالش شدہ آئینے کی مانند ہے اور محفوظ شدہ لوح (*لوح محفوظ*) ایک آئینے کی مانند ہے جس میں مادی وجود کے دائرے میں تمام چیزوں کی تصویریں (*عالم موجودت*) ہم جس دائرے میں ہیں ، اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ جب [دل کا] صاف ستھرا پالش شدہ آئینہ ان فیکسمیلوں کے سامنے رکھا جاتا ہے تو وہ واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب دل ایک صاف ستھرے چمکدار آئینے کی طرح ہوتا ہے اور کوئی شخص اپنے نفس کو ان احساسات کے محرکات کو [وجود کے جسمانی دائرے سے] ہٹانے سے منقطع کرتا ہے، تو وہ محفوظ شدہ لوح ("*لوہ مہفود*") کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ جب تک دل اس طرح کے حقیقی احساسات سے بھرا رہتا ہے، وہ روحانی عالم (عالم روحانی) میں وجد میں گھومتا *رہتا* ہے۔ تاہم ، خواب میں ، یہ احساسات رک جاتے ہیں لیکن ان کی تصویر یا سوچ برقرار رہتی ہے۔ جبکہ "*عالم*" (تخیل کے دائرے) میں احساس یا خیال کا تصور کیا جا سکتا ہے، اگرچہ بعض اوقات مدھم طور پر۔ جب انسان مر جاتا ہے تو آخر کار پردہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ [جسمانی دائرے سے] کوئی ادراک یا احساسات باقی نہیں رہتا۔ مادہ (یعنی چیزوں کی سچائی، حقیقت اور حقیقی نوعیت) شفاف ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد میت کو بتایا جاتا ہے:

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ ٱلْيَوْمَ حَدِيدٌ

"اب ہم نے تم سے تمہارا پردہ ہٹا دیا اور آج تیری آنکھ تیز ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 50، آیت 22)

ایک جواب دیتا ہے:

رَبَّنَآ أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَٱرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَٰلِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ

"اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھا اور سنا ہے۔ ہمیں واپس لے آ کر ہم نیک کام کریں گے اب ہمیں یقین ہے [مادے کی حقیقت کے بارے میں]۔ (سورۃ البقرۃ 32، آیت 12)

دل کے دروازے کے فرشتوں کی طرف ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں جو دانشمندی اور پاکیزہ شکوک و شبہات یا آنے والے ممکنہ تنگوں کے خوف سے محفوظ ہو۔ ایسے خیالات حواس سے نہیں نکلتے بلکہ دل سے نکلتے ہیں۔ ان متوقع خطرات کی ابتدا اور ماخذ کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ تجزیہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ تمام علم حسی اعضاء سے نہیں نکلتا۔ مزید یہ کہ دل کا تعلق *دراصل "عالم روحانی"* یا روحوں کے دائرے سے ہے نہ کہ اس [مادی] دنیا سے۔ ظاہر ہے ، یہ حسی اعضاء اس دنیا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ جب تک انسان اس دنیا کے دنیاوی خیالات سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتا، کوئی بھی دوسرے دنیا کی طرف آسانی سے نہیں جا سکتا، جہاں یہ حسی اعضاء کسی بھی طرح کے کام نہیں آئیں گے۔

لہٰذا یہ غلط فہمی نہ کریں کہ جب تک کوئی انسان گہری نیند میں نہیں جاتا یا مر نہیں جاتا، روحوں کے دائرے کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ اگر کوئی سخت محنت کرتا ہے، تکبر پر قابو پاتا ہے، اپنے آپ کو یعنی اپنی روح کو برائی سے پاک کرتا ہے، اپنی آنکھیں بند کرتا ہے، ایک ویران جگہ پر بیٹھ جاتا ہے، تمام دنیاوی خیالات کو ختم کرتا ہے اور اپنے دل و نفس کو روحوں کے دائرے میں اس طرح مگن کر دیتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں بولتا بلکہ اس کا ہر ریشہ *"اللہ! اللہ* تعالیٰ (یعنی خدا کا واحد ذاتی نام، جبکہ "خدا" ایک عام زبان میں اس ہستی کی طرف اشارہ کرنے کا مخصوص طریقہ ہے جو اس نے پیدا کی ہر چیز کا مالک، خالق، پالنے والا اور فراہم کرنے والا ہے) ہر دل کی دھڑکن کے ساتھ، جب تک کہ انسان اپنے آپ سے اور خدا کے سوا پوری دنیا سے مکمل طور پر بے خبر نہ ہو جائے، اس کے دل میں برکتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور کھلا رہے گا۔ جاگنے کی حالت میں کوئی دیکھتا تھا کہ دوسرے نیند میں کیا کریں گے۔ فرشتوں کی خوبصورت روحیں دلکش شکلوں میں کسی پر اترتی تھیں۔ خدا کے پیغمبروں کو دیکھنا شروع کر دیا جائے گا اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اس دنیا کی آسمانی مخلوق اور اس کے بعد *"ملاکوٹ"* - ماورائی فرشتہ ، اسے نظر آئے گی۔ ایک ، جو بہت خوش قسمت ہے وہ عجیب و غریب نظاروں اور مافوق الفطرت چیزوں کا مشاہدہ کرے گا ، جو کسی کے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ایسے شخص کے بارے میں ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں انسان کے سونے یا مردہ ہونے کے بغیر ممکن ہیں:

رُوِيَتْ لِي الْأَرْضُ فَأُرِيتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا

"ساری زمین مجھے دکھائی گئی تو میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا۔"

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالتی ہے:

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ

"اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی۔" (سورة البقرة سورة البقرة آیت 75)

انبیاء علیہم السلام کے یقین دہانی اور صحیح فیصلے ایک جیسے تھے۔ اس کا حواس سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ یہ شاندار کامیابی خدا کی راہ میں ان کی محنت کا ثمر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلًا

"اور اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر کے رکھو۔" (سورة البقرة سورة البقرة آیت 8)

بے شک جب ایسا ہوتا ہے تو وہ ہر چیز کو درست کر دیتا ہے۔ صرف وہی سب قابل ہے:

رَّبُّ ٱلۡمَشۡرِقِ وَٱلۡمَغۡرِبِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَٱتَّخِذۡهُ وَكِيلًا

"مشرق اور مغرب کا پروردگار۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس اسے نگہبان بنا لو۔ (سورۃ البقرۃ باب 73، آیت 9)

پس جب تم اس پر اور صرف اسی پر بھروسہ کرو تو اس کے سوا ہر چیز کے ساتھ اپنے تمام تعلقات کو دور کر دو اور تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہو (کیونکہ وہ تمہارے تمام معاملات کا بہترین نگہبان ہے)۔

وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَٱهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِيلًا

"اور جو کچھ وہ کہتے ہیں [جھوٹ، تکلیف دہ باتوں، حملوں، الزامات، گالیوں اور تنقید کے بارے میں] صبر کریں اور انہیں شفقت سے ترک کر دیں۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 10)

اس طرح کی نمایاں خوبی ثابت قدم لوگوں کی انتھک محنت اور اس کے ساتھ مستقل طور پر فرض شناس رہنے کی سخت مشق میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ انسان کے دل کو پاک کرتا ہے۔ انسان لوگوں کی دشمنی اور دنیاوی پریشانیوں اور خواہشات کے لالچ کے تمام خدشات سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے علم کا قابل فخر مالک بننا، جو اتنی محنت کے بعد حاصل ہوتا ہے، واحد بابرکت "*ولی*" یا خدا کے دوست اور قریبی کی قابل رشک خوش قسمتی ہے۔ ایک اونچے پیڈسٹل پر نصب ہے۔ خدا کے انبیاء کا مقام ان کے سامنے واضح وجوہات کی بنا پر بلند ہے۔

بہرحال گمراہ نہ ہو کہ اس طرح کی [بلند روحانی] حالت کا حصول صرف خدا کے نبیوں پر لاگو ہوتا ہے۔ در حقیقت ، ہر شخص اپنے آپ میں اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر ، کوئی لوہا نہیں ہے ، جو ، اپنے بنیادی اندرونی کردار کی وجہ سے ، ایک پالش آئینے میں ڈھال نہیں سکتا ہے جس میں کوئی دنیا کی کسی بھی چیز کا چہرہ دیکھ سکے۔ یہ ، بعد میں داغدار اور داغدار ہوسکتا ہے ، یہ ایک اور معاملہ ہے۔ قدرتی طور پر دنیاوی لالچ اور فتنہ اس کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں اور [پالش] آئینے کو مسخ کر دیتے ہیں۔ برائی ایک ایسی خطرہ ہے [کہ یہ دل کے پالش شدہ آئینے کو ڈھانپ دیتی ہے اور مسخ کرتی ہے جو اب سچائی اور خدا کے نور کی عکاسی کرنے کے قابل نہیں رہتی]۔

انسان کو اپنے آپ کو حقیقت اور سچائی کی سطحی تفہیم تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ [اس کے بجائے،] انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی کے پیشے میں اس کی تعلیم میں "*معارفہ*" یا خدا کی گنوسس ہے۔ [سچے] علم کا یہی مطلب ہے۔ بہرحال علم اپنے آپ میں دل سے تنگ اور چھوٹا ہے۔ دل جسم کا سوار ہے [اور اس کے برعکس نہیں]۔ دل کا مقصد سوار کے لئے اس کے ماؤنٹ پر سوار ہونا ہے۔ گھوڑا (یعنی جسم) سوار (یعنی دل) کے لیے ہے نہ کہ گھوڑے کے لیے (یعنی جسم) کے لیے۔

سمجھیں کہ آپ کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی چیز آپ کے قریب نہیں ہے ، لیکن آپ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو نہیں جانتا اور دوسروں کو جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اس فقیر کی طرح ہے جو اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا لیکن شہر کے غریبوں اور بے سہارا لوگوں کو کھانے کی میز پر رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس طرح کا دعویٰ مضحکہ خیز ہے۔

اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو یہ احساس ہو کہ اس کا دل کتنا عظیم اور مراعات یافتہ ہے۔ اللہ نے تم پر یہ عظیم نعمت نازل فرمائی ہے اور اسے تم سے چھپا رکھا ہے۔ اگر آپ اس کی کھوج نہیں کرتے ہیں ، [بلکہ اس کے بجائے] اسے ضائع کرتے ہیں ، اس سے غافل رہتے ہیں تو ، یہ آپ کے لئے بہت بڑا نقصان اور ماتم کی بات ہوگی۔ لہٰذا یہ آپ پر لازم ہے کہ آپ سچائی کو حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کریں یعنی اس عظیم خدائی تحفے کی فضیلت ہے۔ اس دنیا کے عام تعاقب میں اس کی جستجو کھونے کے بجائے، اس کے اختتام [اور حتمی مقصد] کی تلاش کرو تاکہ آپ کو دنیا اور آخرت میں سمجھا جائے اور ان کی عزت کی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی مرتبہ اور استقامت عطا فرمائے کہ اس کے بعد کوئی عدم استحکام پیدا نہ ہو، تاکہ تمہیں ایسی طاقت مل جائے کہ اس کے بعد کوئی کمزوری نہ ہو، تاکہ تم اس طرح "*معارفہ*" یا گنوسی سے پاک ہو جاؤ کہ الٰہی حسن کی قربت تمہاری مقدر قابل رشک ہو۔ آپ کو ایسی خوشی سے نوازا جاسکتا ہے کہ اس کو روکنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اس

طرح آپ جو حقیقی حیثیت حاصل کرسکتے ہیں اس کا انحصار آپ کی کارکردگی اور اس صلاحیت پر ہوتا ہے جو آپ اس کے مستحق ہونے کے قابل ہوسکتے ہیں۔

یہ بہت ضروری ہے۔ ورنہ اگر آپ معاملات کا تجزیہ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ گرمی، سردی، بھوک، پیاس، بیماری اور پریشانی میں عاجزی سے بڑھ کر کوئی دکھ نہیں ہے۔ جن چیزوں کو کرنے سے کوئی لطف اندوز ہوتا ہے ، بعض اوقات کسی کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ وہ چیزیں جو کسی کے لئے فائدہ مند ہوسکتی ہیں ، وہ دیکھ بھال ، تناؤ اور تناؤ سے بھری ہوئی ہوسکتی ہیں۔ لہذا ، کسی کو احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔

ایک قابل احترام شخص ، ہم [عام طور پر] جانتے ہیں ، کسی کے علم ، طاقت ، کارناموں ، مضبوط ارادے ، ہمت اور اچھے پروفائل کی وجہ سے ایک معزز شخص ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک کسی شخص کے علم، علم یا تعلیم کا تعلق ہے، اگر ہم اس پر مراقبہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ جاہل ہے، یعنی اگر کسی کے دماغ کی ایک رگ بھی مسخ ہو جائے تو اس کے پاگل ہونے یا موت کا خطرہ بھی ہے۔ کوئی اس کی وجہ یا علاج نہیں جانتا۔ مزید یہ کہ اس کے علاج کی دوا کسی کی آنکھوں کے سامنے پڑی ہو سکتی ہے لیکن اس بات کا علم نہیں ہو سکتا کہ یہی دوا کسی کی بیماری کا علاج ہے۔ اپنی طاقت کے بارے میں ، انسان اتنا بے بس ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ مکھی کو بھی مار نہیں سکتا۔ اس معاملے کے لیے، اگر خدا کی طرف سے شیر کو ایسا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو وہ اس سے مارا جاتا ہے۔ اگر ایک بھڑیا تار لگاتا ہے تو ، وہ بے چین ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ، کوئی اپنی گرفت کھو دیتا ہے ، اس پر بہت پریشان اور بے چین ہوجاتا ہے چاہے تھوڑی سی چاندی ضائع ہوجائے۔ تو کیا کوئی اپنا توازن کھو دیتا ہے، اگر کسی کو کچھ عرصہ کھانے کے بغیر رہنا پڑے۔ اس طرح انسان سے کمزور کون ہو سکتا ہے؟ کسی کی خوبصورتی اور کسی کے عمومی رویے کی خوبصورتی کے بارے میں بات کرتے ہوئے ، اس کا موازنہ کیچڑ کے ڈھیر پر چمڑے کے خیمے کی حد سے زیادہ توسیع سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ایک معروف حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص دو دن تک نہاتا ہے تو ، بدبو آنے لگ جائے گی۔ لوگوں کی طرف سے پرہیز کیا جائے اور عام طور پر عوامی طور پر بدنام کیا جائے ، اس کے علاوہ کئی دیگر پیچیدگیوں کے علاوہ جو قائم ہوسکتے ہیں۔ انسان سے زیادہ گندی کوئی چیز نہیں ہے ، کیونکہ گندی مادہ ہر وقت ایک میں رہتا ہے ، جسے وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور دن میں کئی بار دھوتا ہے۔

ایک تمثیل نقل کی گئی ہے کہ ایک زمانے میں شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ جو ایک انتہائی قابل احترام بزرگ اور عرفانی تھے، کچھ *صوفیاء* (جو روحانی راہ میں روحانی تبدیلی کے لیے جدوجہد کرنے والے لوگ الٰہی قربت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں) کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ وہ ایک جگہ پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کے لوگ انسانی فضلہ کو صاف کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ راستہ بدبودار گندگی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے، اپنی ناک بند کر کے ادھر ادھر بھاگ گئے، لیکن *شیخ* (روحانی پیشود وہیں کھڑے رہے) نے کہا، "سنو اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ گندگی کا ڈھیر مجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا، "کیا؟" انہوں نے جواب دیا کہ کہہ رہا ہے کہ کل تک میں پھلوں اور مٹھائیوں وغیرہ کی شکل میں بازار میں تھا۔ لوگ مجھ پر بے تحاشہ پیسے خرچ کر رہے تھے۔ میں رات بھر ان کے پیٹ میں رہا پھر میں اس ناگوار بدبودار سڑنے میں بدل گیا۔ کیا میں تم سے بھاگ جاؤں، یا تم مجھ سے؟"

حقیقت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں کمزور، نامکمل اور بے بس ہے۔ اس کے باوجود قیامت کے دن ایک شخص زوروں پر ہوگا۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ "*کیمیا* یا ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کا تبدیلی ایجنٹ" برقرار رکھے تو وہ جانوروں کے مقام سے اوپر اٹھ کر فرشتوں کے قد تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص دنیا اور دنیاوی خواہشات کا شکار ہو جائے تو کتے اور سور ایک سے بہتر ہوں گے، کیونکہ وہ ختم ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے لیکن انسان دنیا کی زندگی میں اپنے برے اعمال کی وجہ سے الٰہی عذاب اور مصائب میں ڈوبے ہوئے رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان نے اپنے مرتبے کی وسعت اور بلندی کو تسلیم کیا ہے تو اسے بیک وقت اس نقصان اور نقصان کو یاد رکھنا ہوگا جو کسی کو پہنچنے کا امکان ہے، اگر کوئی اس پر پورا اترنے میں ناکام رہتا ہے۔ چیزوں کا اس طرح کا جائزہ لینا خدا کی "*معرفہ*" یا گنوسس کی کلید ہے۔ یہ سب کچھ اس کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو پہچان سکے۔

خدا کو جاننا

امام محمد غزالی نے اپنی کتاب "*کیمیا* سعادت" یا "کیمیا یا ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لیے تبدیلی کا ایجنٹ" میں ابدی خوشی اور حقیقی کامیابی کے کیمیا (یا تبدیلی کے ایجنٹ) کی حیرت انگیز وضاحت جاری رکھی ہے اور اس کیمیا (یا تبدیلی کے ایجنٹ) کو ابدی خوشی کے چار عنوانات (یا تقاضا) میں سے دوسرا بیان کیا ہے جو "خدا کو جاننا" ہے۔ ابدی خوشی کے تبدیلی کے ایجنٹ کی دوسری ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے - "خدا کو جاننا" ، وہ لکھتا ہے:

پیارے محبوب! سابقہ انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لکھی ہوئی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

اَعْرِفْ نَفْسَكَ تَعْرِفْ رَبَّكَ

"اپنے نفس کو پہچانو، تب ہی تم اپنے رب کو پہچان لو۔"

اس کے علاوہ یہ قول حدیث اور صحابہ کرام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور مقالات سے بہت مشہور ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

"جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

انسان کا دل ایک [پالش] آئینے کی مانند ہے [بشرطیکہ اس پر بجھی ہوئی دھول کو ہٹا دیا گیا ہو اور سطح کو کسی ایسی چیز سے صاف کر دیا جائے جو اس کے پالش شدہ آئینے کی حیثیت سے کام کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے]۔ جو شخص اپنی نظر اور توجہ اس پر مرکوز کرے گا وہ خدا سے واقف ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ ، ایسے لوگ ہیں جو اس آئینے میں دیکھے بغیر اپنے آپ کو بے سود طور پر سراہتے رہتے ہیں لہذا وہ اپنے رب کو جاننے کے قریب کہیں بھی نہیں ہوتے۔ ایک بار پھر ، اس کا جواب دل کے اس آئینے کو دیکھنے میں مضمر ہے جس میں "*معارفہ*"خدا کی (عرفان) اس کے صحیح ہم آہنگی میں۔ لہٰذا دل کی حقیقت کو صحیح تناظر میں جاننا اس کے دو نمایاں پہلوؤں میں سے ضروری ہے۔ کسی کو سمجھنا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ [عام] لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ اس پر بحث نہ کی جائے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے قادر مطلق کی تفہیم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، یعنی اس سلسلے میں موجود خاص خصوصیات کے ذریعے۔ یعنی اس پروردگار کی نعمتوں اور مخلوقات کی خوبصورتی جو پوری کائنات کے وسیع و عریض علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کے مطالعے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے انسان کے دل کو اس کے جسم اور اس کے اعضاء میں جو مہربانی سے عطا کی ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ شروع میں کسی کو اپنی اصلیت پر مکمل طور پر غور کرنا چاہئے ، کہ وہ پہلے محض ایک غیر وجود تھا اور اب وہ ایک 'وجود' ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ حِينٌ مِّنَ ٱلدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْـًٔا مَّذْكُورًا ﴿١﴾
إِنَّا خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ﴿٢﴾

"کیا انسان کو ایک زمانہ گزر چکا ہے جب کسی کا ذکر نہ کیا جا سکے اور ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے ایک کو آزمایا اور ہم نے ایک سننے والا اور دیکھنے والا بنایا (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت (2-1

کسی کو اس کی عاجزی سے اندازہ ہو گا کہ وہ ناپاک پانی کا محض ایک قطرہ ہے جس میں وہ خوبیاں بھی نہیں ہیں جو بعد میں کسی کو عطا کی گئیں، جیسے عقل، سننے، دیکھنے، ذائقہ، چھونے اور بولنے کی خوبیاں ہیں۔ نہ ہی اس میں کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ اور پاؤں ، سر ، رگیں ، ٹشوز ، ہڈیاں یا ریڑھ کی ہڈی وغیرہ شامل تھیں۔ مختصرا، کسی کی جینیاتی وجود صرف پانی کے اس سفید قطرے پر مشتمل ہے، اس کی نوزائیدہ شکل میں۔

ان خطوط پر کسی کے غور و فکر مزید بتائیں گے کہ اتنی اونچی بلندیوں پر چڑھنے کی انسانی صلاحیت کے باوجود، وہ اپنی مرضی سے اور اپنے ارتقاء سے وجود میں نہیں آیا۔ کسی نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا۔ ایک کو کسی اور نے تخلیق کیا تھا۔ کسی کی اپنی قوت میں ، کوئی بھی ایک ، تنہا بال بھی نہیں بنا سکتا۔ ایک بالکل بے بس ہے۔ بہرحال ، ایک شخص اپنے جوہر میں تھا ، ناپاک پانی کے ایک قطرے کے سوا کچھ نہیں۔ تو اپنے آپ کو تخلیق کرنے کی خوبی کو کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے؟ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس طرح کا خود شناسی انسان کو اپنے وجود اور اپنے خالق کی حقیقت میں روشن خیالی دے گی۔ کائنات میں اس کی مخلوقات کی شاندار شان و شوکت کو چھوڑ دیں، جب کوئی اپنے جسم کے شاندار جاندار، اس کے مختلف افعال پر نظر ڈالے گا، جن میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص خوبی اور کام ہے، تو اسے مالک خالق، خدا تعالیٰ کی عظمت اور بے مثال مہارت کا احساس ہوگا۔

بہت سی چیزوں کے لیے خداوند کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ خدا نے ایک اعلیٰ روح اور خوبصورت جسم کے ساتھ بھی عطا کیا ہے۔ صرف کسی کی خوبصورت پروفائل کو ہی اس کے سامنے گہری شکر گزاری کے ساتھ جھکنا چاہیے۔ اس طرح انسان خوش قسمت ہے کہ اسے "*جمال*" یا خوبصورتی اور "*کمال*" یا فضیلت اور فضل دونوں صرف خدا نے نہیں دیکھا۔ بہر حال ، ایک دوسری صورت میں کیا ہے؟ مٹھی بھر دھول کے سوا کچھ نہیں! اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے مقصد نہیں بنائی۔ انسانی اناٹومی کا ہر حصہ ضروری ہے، اس کا ایک خاص فرض ہے کہ وہ مقررہ طریقے سے انجام دے۔ ان میں سے ہر ایک جزو کو مہارت سے تیار کیا گیا ہے ، منصوبہ بندی کی گئی ہے ، اور پروگرام کیا گیا ہے [اس کے لئے مخصوص افعال کے لئے]۔ کچھ بھی غائب اور مطلوب نہیں ہے۔ پورا آئین اتنا کامل ہے کہ اس پر کسی بھی طرح سے مہارت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مثال کے طور پر ، جبڑے میں دانتوں کو دیکھیں۔ سامنے والے نوکدار اور تیز ہیں تاکہ کھانے پینے کی اشیاء کو مناسب طریقے سے کاٹنے اور چھیدنے میں مدد ملے۔ ان کے قریب دوسرے حصے بجائے چوڑے ، گرووی اور چپٹے ہوتے ہیں تاکہ کوئی ان کو ٹھیک ہضم ذرات میں پیسنے کے قابل بناتا ہے۔ زبان کے نیچے کا نچلا حصہ اس طرح بننے والے کھانے کے ٹکڑے کو نم کرتا ہے ، جس سے یہ گلے کے ذریعے آسان اور محفوظ گزرنے کے لئے زیادہ نرم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسانی ہتھیلی کی پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ چار انگلیاں ایک جیسی ہیں۔ لیکن انگوٹھا ان سے کچھ فاصلے پر رکھا جاتا ہے۔ یہ ان سے چھوٹا اور تھوڑا سا موٹا ہے۔ اس میں ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ہم آہنگی اور مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہے اور اچھی گرفت اور ہینڈلنگ کے لئے اجتماعی طور پر تمام انگلیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس کے نتیجے میں ، ہر انگلی میں تین سوراخ ہوتے ہیں ، لیکن انگوٹھے میں دو ہوتے ہیں۔ انسان اپنی مرضی سے ان سوراخوں کو حرکت دے سکتا ہے اور مروڑ سکتا ہے۔ ان کو اکیلے موڑ کر ، کوئی بھی ہتھیلی کو کپ سکتا ہے۔ دونوں ہاتھوں کے چھیدوں کو جوڑ کر اور مروڑ کر ، کوئی بھی انہیں کھوکھلی پلیٹ کے طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح ، ان چھیدوں اور ہاتھ کی ہتھیلی کو بند کرکے ، کوئی بھی اسے اپنے دشمن سے لڑنے کے لئے ایک قسم کے باکسنگ دستانے میں تبدیل کرسکتا ہے۔ دوسری طرف ، کوئی بھی اسے سیدھے کھجوروں کے ساتھ پلیٹ کے طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ لہذا ، ان انگلیوں کی پوزیشن ، سائز یا مقدار کے بارے میں کوئی بھی بحث بیکار کی مشق ہوگی۔ وہ بہت عمدہ طور پر بنائے گئے ہیں! ان تمام چیزوں اور کائنات کا سب سے بڑا معمار بہترین منصف ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو اس نے بنایا ہے۔

انسان کی ضروریات اور خواہشات لامحدود ہیں۔ خالق کی تخلیقات بھی لامحدود ہیں۔ انسان کو پہننے کے لیے کپڑے، رہنے کے لیے گھر اور بہت سی دوسری چیزوں کی ضرورت ہے۔ قدرتی عناصر جیسے بارش ، ہوا ، گرمی ، سردی اور زمین میں خوراک اگانے کے لئے ، اسی طرح ایک کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح ضروری دھاتیں جیسے ٹن، لوہا، کانسی وغیرہ بھی انسان کو مختلف مقاصد اور صنعتوں کے لیے اپنے اوزار اور آلات بنانے میں مدد فراہم کی گئی ہیں۔ یہ سب چیزیں اور بہت سی دوسری چیزیں ایک کے لئے لینے ، ان سے فائدہ اٹھانے ، آرام دہ زندگی گزارنے کے لئے موجود ہیں۔ کیا انسان کو اس قدر تجسس نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بالآخر اس کی قادر مطلق کی موجودگی کو محسوس کرے، جس نے اپنی اعلیٰ مہربانی سے یہ سب کچھ کسی کے لیے کیا ہے [یہاں تک کہ کسی کو احساس کیے بغیر اور ان کے لیے مانگنے کے بغیر]؟ کیا انسان کا دل اس کی محبت اور اس کی عبادت سے مالا مال نہیں ہونا چاہیے؟ ایک حدیث *قدسی* کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ ۔

"میری رحمت میرے غضب پر غالب آ گئی ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق: "انسانیت پر خدا کی مہربانی اور مہربانی اس سے کہیں زیادہ ہے کہ ایک دودھ پلانے والی ماں کے بچے پر پیار کرتی ہے"۔

نسبتا نچلے پیمانے پر، ایک سادہ لیکن ایک اچھا انسان، *ایسی چیزوں میں خدا* کی معرفت یا معرفت کو دیکھتا ہے:

1 . پانی کے ایک قطرے کی عاجز اصل سے اپنی تخلیق میں۔
2 . کسی کے جسم کے اعضاء کی عجیب و غریب خصوصیات میں۔
3 . خدا کی طرف سے اپنی تمام ضروریات اور ضروریات کی فراہمی میں۔
4 . کسی کے جسمانی ساخت کی خوبصورتی میں۔ جمالیاتی چیزیں جو خدا کی تخلیق کی گئی ہیں جو انسان کو دلکش اور دلکش شکل دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند کرتا ہے اور اسے اپنی "*معرفت*" یا عرفان سے نوازتا ہے۔ اپنی ذات کا اس طرح کا اندازہ خدا کی معرفت کی کلید بن جاتا ہے۔

آپ میں کائنات

انسان اس چیز کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ انسان اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ خدا کو اپنی داخلی اور خارجی خصوصیات سے سمجھے۔ جہاں کسی کی کوشش قابل تعریف ہے وہیں حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فہم اور صلاحیت محدود ہے، چاہے اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں کسی کی مسلسل تحقیق بلاشبہ کسی کی زندگی میں اس کی حیثیت کو بڑھا دے گی۔ جتنا زیادہ سے زیادہ نفیس شخص کا دل اور "*نفس*" (یا نفس) اس عمل میں غرق ہو جائے گا، اس کے لیے بے پناہ محبت کی وجہ سے، اس کے نتیجے میں وہ اس کے ساتھ نسبتا قربت حاصل کرے گا لیکن بالآخر وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ "صرف خدا ہی خدا کو مکمل طور پر جانتا ہے" اور یہ کہ اسے گھیر نہیں سکتا۔

مثال کے طور پر، انسان کے دل، "*نفس*" یا نفس، حقیقت میں، کی مقدار نہیں کی جا سکتی۔ اس کی کوئی جہت نہیں ہے۔ یہ ناقابل تقسیم ہے [اور اس وجہ سے وقت اور جگہ کے طول و عرض کی مقدار ، حد اور حدود کی حدود سے اوپر]۔ اس کا کوئی رنگ نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ یہ اس طرح کے تمام تحفظات سے بالاتر ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ایسی چیز کی شکل کا تعین کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی ایسی چیز کا تصور کیسے کر سکتا ہے جس کی شکل یا اثر معلوم نہیں ہے؟ لہذا ، یہ انسان کی کسی بھی خوبی سے مطابقت نہیں رکھتا جو اس کے مطابق سمجھ سکے۔

انسان میں بہت سی چیزیں ہیں جن کو انسان محسوس کرتا ہے لیکن وہ انہیں سمجھ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ، محبت اور درد کو محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن انہیں ذہن میں نہیں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی شکل ، رنگ یا سائز ہے۔ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔ انسان کی طرف سے محسوس کی جانے والی مختلف فہم اور حالات، کسی کے حواس کے مختلف اجزاء سے متعلق ہیں۔ مثال کے طور پر ، ہم جانتے ہیں کہ آواز کان کے مترادف ہے۔ رنگ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ زبان ذائقہ کو پہچانتی ہے اور ناک سے بدبو سونگھتی ہے۔ چھٹکارا دینے والا عام عنصر ، عقل کا اس سے کچھ لینا دینا ہوسکتا ہے۔ دلکش منطق کی کتاب شاید کسی حد تک اس مسئلے سے متعلق ہو سکتی ہے، لیکن یقینی طور پر دل اور اس کے خاص عطیات سے نہیں، جو بالکل مختلف طبقے کا موضوع ہے۔

خدا ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس کی موجودگی کو کسی خاص جگہ تک محدود نہیں کیا جا سکتا، باقی لوگوں کو چھوڑ کر۔ اس کی موجودگی اور کمانڈ ہر جگہ محسوس کی جاتی ہے۔ روح کو جسم کے کسی بھی عضو کے تعلق میں تنہا محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہاتھوں میں، پیروں میں، سر میں، یا جسم کے کسی دوسرے حصے میں ہے۔ یہ جسمانی اعضاء جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے قابل تقسیم ہیں، لیکن دل اور روح تقسیم نہیں

ہوتے۔ منطقی طور پر ، ایک ایسی چیز جو ناقابل تقسیم ہے ، کسی بھی ایسی چیز میں شامل نہیں ہوسکتی جو قابل تقسیم ہو۔

تاہم یہ کہنے سے کہ دل اور روح کا جسم کے کسی عضو سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء اس کے تابع ہیں اور دل، روح یا "*نفس*" یا انسان کی نفس کے براہ راست کنٹرول میں ہیں۔ انسان کی روح اس تناظر میں بادشاہ ہے کیونکہ پوری کائنات خدا تعالیٰ کے براہ راست کنٹرول میں ہے، جو کائنات اور تمام وجود کا بادشاہ ہے۔

روح کا موضوع بہت نازک اور لطیف ہے۔ اس پر تمام تر غور و خوض اور گفتگو کے باوجود ، یہ ایک انوکھا اور اچھی طرح سے محفوظ راز ہے۔ لہذا، اسے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ مثال کے طور پر:

إنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُورَتِهِ "بے

شک خدا نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

یہ وہ جگہ ہے جہاں کسی کے پاس یہ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ خدا بہتر جانتا ہے۔

ہم نے اب تک یہ طے کیا ہے کہ:

1. اللہ قادر مطلق ہے۔ اس کی عظیم الہامی صفات کی نعمت اس میں ظاہر ہوتی ہے۔
2. وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی دوسری جگہ یا جگہ کو چھوڑ کر کسی ایک جگہ تک محدود نہیں سمجھا جا سکتا۔
3. نفس کو جاننا اس کی معرفت یا "*معارفہ*" کی کلید ہے۔
4. انسان کا اصل مقصد اس کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

اب یہ سمجھنا چاہیے گا کہ کیسے؟ وہ سب سے بڑا حکمران ہے، انسان کی بادشاہی میں سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ بہت سے معمے سے پردہ اٹھانا ہے:

1. اس نے فرشتوں کو حکم دیا۔ ان کی عاجزانہ اطاعت۔
2. اوپر آسمان سے اس کی فرمانبرداریاں اور نیچے زمین کی ان کی التجا کی تعمیل۔
3. ستاروں اور مجمع النجوم کی مسلسل حرکت۔
4. اس کے ذریعہ سے اپنی جانداروں کو ان کی روزی کے لئے رزق عطا کرنا۔

یہ اس کی معرفت سے متعلق ٹھوس سوالات ہیں۔ یہ معاملات اور اس طرح کی چیزیں اس قسم کے دائرہ کار میں آتی ہیں جسے "اس کے احسان کے اعمال" کہا جاتا ہے۔

اس مقالے میں ، ہم نے بہت سے طریقوں کا تعین کیا ہے جو اس کی گنوسس ("*معارفہ") کی طرف لے جاتے* ہیں۔ اب ہم اس کے الہامی اعمال کی گنوسس ("افعل") کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ، جب تک آپ کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انسان جسم کی بادشاہی پر کس طرح حکمرانی کرتا ہے ، آپ یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ وہ ، تمام آقاؤں کا مالک ، پوری کائنات پر کس طرح حکمرانی کرتا ہے۔ چنانچہ ہم ایک بار پھر اس ناگزیر نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے 'نفس' کو نہیں جانتا اور اس کے ہر عمل کو اس تناظر میں رہنمائی نہیں کرتا، وہ اس معمہ کو حل نہیں کر سکے گا۔

مثال کے طور پر، جب آپ کاغذ کے ٹکڑے پر "*بسم اللہ*" (عربی میں "خدا کے نام سے" لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو آپ کا دل پہلے ایسا کرنا چاہتا ہے، پھر دل (یعنی جسم کے بائیں جانب کا جسمانی عضو نہیں جسے "دل" بھی کہا جاتا ہے) اس اثر میں ہلچل مچاتا ہے اور دماغ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ دماغ کا پہلا حساس کمرہ جو

انسان کے خیال کی جگہ ہے، یعنی اس کے بارے میں سوچنے کا جادو کرتا ہے۔ فکر کا تصور تصور کیا جاتا ہے۔ یہ دماغ کی طرف سے دماغ کے پٹھوں کو دیا جاتا ہے جو اسے پھیلاتے ہیں اور جسم تک پھیلاتے ہیں۔ لکھنے والی انگلیاں ہدایت کی جاتی ہیں ، رگیں اور ان کے ؤنکوں کو اس اثر کا پیغام موصول ہوتا ہے ، اس کے نتیجے میں وہ قلم کو پکڑتے ہیں اور موصول ہونے والے محرکات کے مطابق الفاظ کو کندہ کرتے ہیں۔ دوسرے حسی اعضاء بھی مدد اور مدد کرتے ہیں اور "*بسم اللہ*" لکھا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا ممکن ہے کہ سارا لین دین ایسا کرنے کی بنیادی 'مرضی' کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی طرح ہر چیز کے آغاز یا آغاز میں یہ 'ارادہ' جوہر کا حامل ہے۔ جب اسے خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس 'ارادہ' کو خدا کی 'سب سے بڑی مرضی' کہا جاتا ہے۔

جس قدر انسان کی مرضی پہلے اس کے دل میں نکلتی ہے اور اس کے بعد جسم کے دوسرے حصوں تک پہنچتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مرضی اور اس کا اثر سب سے پہلے *"ارش"* یعنی قادر مطلق الٰہی کی سلطنت سے شروع ہوتا ہے، پھر دوسرے عہدوں اور لوگوں تک پہنچتا ہے۔ مزید برآں ، جس چالاکی سے مرضی کا یہ تصور کسی کے دل ، کسی کی روح کے نازک باریک ریشوں کے ذریعے انسانی دماغ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح، خدا کی مرضی کا یہ ناقابل تسخیر جواہر، اس کی *"ارادہ"* یا "ارادہ" کو *"ارش"* (یا "الٰہی قادر مطلق کی سلطنت") سے لے کر *"کرسی"*، "اعلیٰ الٰہی فضیلت کی آسمانی نشست" تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ جواہر اس کے فرشتہ یا *"روح القدس"* (روح القدس) میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح دماغ کی حاکمیت انسان کے دل کے تابع ہوتی ہے، اسی طرح خدا کے احکامات کا اثر اس کے حکم کے تابع دائرے کے ذریعے *"کرسی"* تک پہنچایا جاتا ہے، تاکہ فوری اطاعت اور تعمیل کی جا سکے۔ پچھلے باب میں بیان کردہ سارا عمل دل میں *"بسم اللہ"* ("خدا کے نام پر" رحمن، رحم کرنے والا) لکھنے کے خیال کی آمد سے لے کر اس پر عمل درآمد اسی طرح *"جوہر طلف"* یا "خدا کی غیر معمولی مرضی" سے ایک شاندار انداز میں شروع کیا گیا ہے، جو کہکشاں کے ستاروں اور دیگر برجوں کو متحرک کرتا ہے، انہیں ان کے مطلوبہ کردار تفویض کرنا۔ اس کے نتیجے میں ، ان کی تابکاری (شعاعوں) کے ذریعہ ، ان کی اندرونی صلاحیت کی بنیاد پر ، ماحول کو گرمی ، سردی اور موسم خزاں وغیرہ جیسے موسمی حالات پیدا کرنے کے لئے ہلچل مچا دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ، جب قلم سیاہی کو بکھرے ہوئے الفاظ کو ضم کرنے اور جمع کرنے کے لیے حرکت میں لاتا ہے تاکہ اسے *"بسم اللہ"* کی متحدہ شکل دی جا سکے، اسی طرح گرمی، سردی، پانی اور دھول اپنے مرکبات کو حرکت میں لاتے ہیں تاکہ ان کے تعامل سے تشکیل دی گئی جائز شکلیں جمع کی جا سکیں تاکہ مادے کو ان کی مختلف شکلیں، حرارت اور دھول ان کو یکجا کرنے کے لیے اور خشکی کو یکجا کیا جا سکے۔

قلم جب لکھنے کی طرف بڑھتا ہے، جو کچھ بھی لکھنے کا تصور کیا جاتا ہے، اس کا وژن تشکیل دیا جاتا ہے، جو بالآخر ان الفاظ میں شکل اختیار کرتا ہے جو لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب مذکورہ بالا مرکبات کی موروثی اقدار کو حرکت میں لایا جاتا ہے تو اس کے بعد فرشتوں کی ایجنسی کے ذریعے جانوروں اور دیگر نباتات کی شکلوں کو مذکورہ بالا کے نقل کے مطابق تصور کیا جاتا ہے جیسے *"لوہ مہفود"* کہا جاتا ہے (محفوظ شدہ تختی جس میں تمام مخلوقات اور وجود اور ان سے متعلق تمام واقعات کا مکمل ریکارڈ موجود ہے)۔ *"عرش"* (صرف "عرش" لیکن حقیقت میں، یہ الٰہی قادر مطلق کی سلطنت ہے)، *"لوہ مہفود"* (محفوظ تختی) اور *"کرسی"* (اعلیٰ الٰہی فضیلت کی آسمانی نشست) کی بلندی کے پیش نظر بہت سے لوگ قدیم زمانے سے یہ سمجھتے ہیں کہ خدا "عرش" کے مقام پر جنت میں رہتا ہے**!** قرآن مجید کی سورۃ یونس کی سورت میں ارشاد ہے:

ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۖ

"پھر خدا نے عرش پر قائم کیا اور اس کا انتظام کرتا ہے۔" (سورۃ البقرۃ 10، آیت 3)

"کشف" یا روحانی نقاب کشائی سے *نوازے جانے والوں کے بارے میں بات* کی جائے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کے کلام کی اپنی قیمت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِه

"بے شک خدا نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔"

پھر ہوشیار رہیں کہ جیسا کہ کہاوت ہے ، "صرف ایک بادشاہ ہی بادشاہ کی اصل قیمت جانتا ہے"۔ اگر آپ خود اپنی سلطنت میں بادشاہ نہ ہوتے اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی رحمت کی مشابہت نہ دی ہوتی تو آپ کبھی بھی اس کی معرفت کے قریب نہ پہنچ پاتے۔ لہٰذا اس قادر مطلق بادشاہ کا شکر ادا کریں جس نے آپ کو پیدا کیا اور آپ کو اپنی سلطنت کی بادشاہی کا تاج پہنایا۔

آپ کا "*عرش*" (عرش) حیوانی روح ہے ('حیوانی روح' 'انسانی روح' سے الگ ہے جو انسانی وجود کا سب سے برتر حصہ ہے)۔ اس کا منبع دل میں ہے۔ آپ کا "*اسرافیل*" (وہ فرشتہ جو قیامت کے دن صور پھونکتا ہے جو سب کو زندہ کرے گا۔ روح کو جب زندہ کیا جاتا ہے تو ، انسانی وجود کے ہر پہلو کو زندہ کرنے ، زندہ کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے) خدا نے اس سے بنایا ہے۔ آپ کی "کرسی" بھی اسی طرح خیالات کی تعمیر کی گئی ہے۔ آنکھیں، کان اور حسی عناصر فرشتوں کی طرح ہیں۔ دماغ ایک چھتری کی طرح ہے۔ اس کا گنبد ، جو آپ کے ادراک اجزاء سے بنا ہے ، آپ کا آسمان ہے۔ آپ کے دل سے تمام بنیادی تصورات کو صاف کرنے کے بعد ، اسے آپ کے جسم کے تمام حصوں پر حکمران بادشاہ کے طور پر نصب کیا گیا ہے۔ آپ کے لئے بہت کچھ کرنے کے بعد ، آپ سے کہا گیا تھا کہ کبھی بھی ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ کو یا اپنی بادشاہی کو نظرانداز نہ کریں۔ ورنہ یہ غفلت خدا کے احکامات کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے جس کے نتیجے میں اس کے سامنے آپ کا مقام شدید خطرے میں پڑ جائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِه فَاعْرِفْ نَفْسَكَ يَا اِنْسَانُ تَعْرِفْ رَبَّكَ

"پھر بے شک خدا نے آدم علیہ السلام (جو پوری انسانیت کا باپ ہے اور اس طرح تمام انسانوں کا باپ) اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پس اے انسان اپنے آپ کو پہچانو! تم اپنے رب کو پہچان لو گے۔"

انسان کی بادشاہی کا تصور پوری کائنات پر قادر مطلق کی بادشاہت اور بادشاہی سے ماخوذ ہے۔ اپنے آپ میں ، اس تصور میں اس پر زور دیا گیا ہے:

1 . جسم کے مختلف اعضاء کی اہم خصوصیات اور پیشوں کے سیکھنے کے بارے میں انسان کی اپنی ذات کا علم۔
2 . خدا کی معرفت کا علم، خدا کی جانب سے اپنے فرشتوں کی طرف مہربان توجہ کے حوالے سے اس کی بادشاہی، اس کے نتیجے میں فرشتے کا تعلق، ایک دوسرے سے اور اعلیٰ عرش (عرش الٰہی)، آسمانوں اور "*کرسی*" (اعلیٰ الٰہی فضیلت کی آسمانی نشست) جو کہ بڑی فضیلت کے منفرد علم کا ایک پہلو بھی ہے۔

ایک ہوشیار شخص کبھی بھی ان سے غافل اور لاپرواہ نہیں رہے گا، جیسا کہ ایک لاپرواہ احمق کے مقابلے میں جو صرف اپنی بے مقصد جہالت کی فصل کاٹے گا۔ بدقسمتی سے کچھ 'فطرت پسند' اور 'نجومی' اس موضوع کی محدود تعلیم پر انحصار کرنے سے اس قدر ناواقف ہیں کہ اس طرح وہ حتمی اثر، ہر چیز کے نتیجے کو ستاروں کے اثر سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اتنا ہٹ دھرمی ، اتنا پیدل چلنے والا ہے کہ اس وہم کے لحاظ سے ، ان کی حالت کا موازنہ کاغذ کے ٹکڑے پر رینگنے والی چیونٹی سے کیا جاسکتا ہے جس سے یہ تاثر مل سکتا ہے کہ قلم [کاغذ کی] سطح پر سیاہ نشان بنا رہا ہے ، کیونکہ یہ بے فکری سے چل رہا ہے۔ کاغذ پر رینگنے والی ایک اور چیونٹی ، جس کی بصارت زیادہ ہے ، اس یقین کو اور بھی بڑھا سکتی ہے کہ ہاتھ [قلم کو تھامے ہوئے] کاغذ پر نشانات بنا رہا ہے۔ یہ فطرت پسندوں کی مثال ہے۔ ان کے [غلط] عقیدے کی واضح غلطی ان کے عقیدے میں ہے کہ تمام انسان دوسرے تمام حقائق سے قطع نظر ستاروں سے ناقابل تلافی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ حقیقت کا ضد فینسی یا مذاق ہے۔ پھر نجومی آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ یہ ستارے بھی فرشتوں کی اطاعت میں ہیں، جیسا کہ خدا نے مقرر کیا ہے، آسمانوں اور ستاروں اور کائنات اور اس سے آگے کی تمام چیزوں کا حکم دیا ہے۔ ان کی گرفت صرف مادی چیزوں تک محدود ہے۔ وہ روحانی میدان میں مکمل طور پر نوسکھئیے ہیں جو تمام جسمانی دنیاوی تحفظات سے برتر ہے۔ جسمانی (یا مادی) دائرے کے ستاروں میں روحانی دائرے کی چمکتی ہوئی روشنی (*عالم روحانی*) سے کم چمک ہوتی

ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ روح جسم پر حکمرانی کرتی ہے۔ اس کے برعکس سچ نہیں ہے۔ وہ اپنی علم و دانش پر فخر کرتے ہیں لیکن اپنی بے ہودگی میں وہ روح کے روحانی دائرے کی راہ کی برکتوں سے محروم رہتے ہیں جہاں باطن کے بہت سے روشن ستارے خدا اور *"معراج"* کی راہ میں ایک سنگ میل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ

"اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی۔" (سورۃ البقرۃ الباب 6، آیت 75)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

إِنِّي وَجَّهۡتُ وَجۡهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ

"میں اپنا منہ (یعنی اپنا سارا وجود - باطن اور ظاہری دونوں) کی طرف رخ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔" (سورۃ البقرۃ الباب 6، آیت 79)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سَبْحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَنْ اَدْرَكَ بَصَرُهٗ

"بیشک اللہ کے لیے ستر ہزار خالص نور کے پردے ہیں۔ اگر وہ اس کی نقاب کشائی کرتا تو اس کے چہرے کی کرنیں ہر اس شخص کو جلا دیتی جو اس کی طرف دیکھتا تھا۔"

طب کے علم کے لوگوں نے بھی اسی طرح اپنی پریکٹس کی بنیاد اسی طرح چیزوں کے گرم یا سرد اثرات پر رکھی ہے۔ اس نے ان کے پیشے کی مشق میں ایک حد تک ان کی مدد کی ہے۔ سورج کو روشن اور گرم بنانے میں خالق کی چھٹکارا دینے والی خوبی، زحل کو خشک اور سرد اور عطارد کو مزید گرم کرنے میں اس کے مقصد سے خالی نہیں ہے۔ بیچارہ نجومی اپنی فلکیاتی روشن خیالی میں سورج کو زمین کے قریب رکھنے میں اپنے خالق کی ذہانت کا اندازہ نہیں لگا سکتا، یا دن اور رات کے تغیرات یا اس معاملے کے لیے، آسمان کے تمام ستاروں اور برج کی اس کی اعلیٰ مرضی کی اطاعت میں عاجزانہ اطاعت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ایسے شخص نے اپنے جسمانی وجود اور معلوم خصوصیات کے حوالے سے اپنی روحانی خوبی کو اعتبار دینے سے گریز کیا ہے۔ صرف اگر کوئی جانتا کہ نصف کرہ کے یہ تمام ستارے خدا کی مرضی اور حکم کے تابع ہیں تو وہ ان کے جسمانی پہلو پر آنکھیں بند کرکے یقین نہ کرتا:

ٱلشَّمۡسُ وَٱلۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٖ

"سورج اور چاند اپنے مقررہ راستے پر چلتے پھرتے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ باب 55، آیت 5)

وَٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَ وَٱلنُّجُومَ مُسَخَّرَٰتِۭ بِأَمۡرِهِۦٓۗ

"اور سورج، چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت ۵۴)

ایک چیز کو محکوم سمجھا جاتا ہے جسے استعمال کیا جاتا ہے اور قابو میں رکھا جاتا ہے اور کام کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ انسانی اعضاء انسان کے لئے کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو انجام دینے کے لئے ایک فنکشن تفویض کیا گیا ہے۔ ستارے بھی خدا کے بندے ہیں جو اس کے احکام کو پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح، جس طرح دماغ انسانی جسم کے دوسرے اعضاء کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے انسان کو عطا کردہ سمجھدار صلاحیتوں

کے ساتھ مل کر کام کریں، ستارے بھی خدا کی طرف سے تفویض کردہ فرشتوں کے ذریعے اپنی مقررہ کارکردگی میں مصروف رہتے ہیں، جو اس مقصد کے لیے اپنے ہدایت کاروں اور اہم محرکات کا کردار ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت، یہ فرشتے اپنے مقررہ دائروں میں بہت سی چیزوں کے زندہ مبلغ ہیں۔

ظاہری وجہ اور اس کا اثر، یعنی نتیجہ، صرف اتنا ہی اہمیت رکھتا ہے۔ نااہل اتفاقات سب کچھ لوگوں کو چیزوں پر اس حد تک یقین دلانے کے لئے موجود ہیں کہ ان کی حیثیت کا موازنہ افسانوی اندھے مردوں سے کیا جاسکتا ہے جنہوں نے ایک ہاتھی کو تاریک حصے میں جزوی طور پر پکڑا ، اور پورے کے بارے میں سوچنے کے بجائے ، ان میں سے ہر ایک کو غلط فیصلے کی بنیاد پر ایک مختلف نام دیا۔ یہی بات اس نجومی پر بھی لاگو ہوتی ہے، جو اسی طرح ایک غلام کو آقا یعنی بادشاہ سمجھتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے:

لَآ أُحِبُّ ٱلْأَفِلِينَ

"مجھے ان لوگوں سے محبت نہیں ہے جو غروب ہوتے ہیں [جیسا سورج غروب آفتاب کے وقت کرتا ہے]۔ (سورۃ البقرۃ القرآن باب 6 آیت 76)

جاہلوں نے چاند اور سورج کو خدا سمجھا ہے کمانڈر کو کمانڈر کہا جاتا ہے جب تک کہ عقل و دانش غالب نہ ہو۔ بارہ "*بروج*" ہیں ، یعنی آسمانی دائرے میں ماؤنٹ۔ اس کا موازنہ ایک اعلیٰ بادشاہ سے کیا جا سکتا ہے جو اپنے "وزیر" (وزیر) کے ساتھ اپنے شاندار حجرے میں بیٹھا ہے۔ اس کے ارد گرد ، امن کے بارہ ممتاز آسمانوں میں "وزیر" (بادشاہ کے وزیر) کے اشرافیہ کے معاونین بیٹھے ہوئے ہیں ، ہر ایک کا ایک دروازہ ہے۔ سات فرمانبردار لیکن چست گھڑ سوار "وزیر" کے معاونین کے اشارے اور پکار پر ہر دروازے کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور موصول ہونے والے سمن کو غور سے سن رہے ہیں۔ ان پر فوری عمل درآمد کے لئے ، ان گھڑ سواروں سے کچھ فاصلے پر چار آدمی پیدل کھڑے ہیں ، جو اپنی کمان کے ساتھ ان گھڑ سواروں کو غور سے دیکھ رہے ہیں ، اس طرح لوگوں کے ایک خاص گروہ کو شامل کرکے اور انہیں ہائی کمانڈ کے سامنے پیش کرکے موصول ہونے والی ہدایات کو پورا کرتے ہیں۔ پھر انہیں یا تو سزا دی جاتی ہے یا انعام دیا جاتا ہے۔

اسی مناسبت سے "*ارش*" ("الٰہی قادر مطلق کی سلطنت") امور کے انچارج ممتاز وزیر ("وزیر") کی امتیازی حیثیت کا مسکن ہے، یعنی آسمان پر پسندیدہ فرشتہ۔ یہ ستاروں کے نصف کرہ میں پہاڑوں کے برعکس ہے جیسا کہ ایک نجومی نے تصور کیا ہے۔ یہ کلیروائنٹس آسمان کے شطرنج کے تختے پر پیادوں اور سامان کی مختلف پوزیشن کو اسی طرح مختلف معنی تفویض کرتے ہیں جس طرح ایک معالج مختلف علامات کے ذریعہ مختلف بیماریوں کو سمجھتا ہے:

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ ۚ

"یہ ان کا علم کا مکمل حصول ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 53، آیت 30)

لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے بیمار پر آجاتی ہے تو مذکورہ بالا خادمہ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اور وہ نجات پاتا ہے۔ نبی کا راستہ بھی اسی انداز میں ستاروں سے مزین ہوتا ہے اور "*ولی*" بھی کسی کے علاج میں معجزے کرتا ہے۔

اِنَّ الْبَلَاءَ مَوَكَّلٌ بِالْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَا الْاَمْثَلُ

مَرِضْتُ فَلَمْ تُعِدْنِيْ

"بیشک نبیوں کو آزمائشوں اور مصیبتوں سے دوچار کیا جاتا ہے، پھر اللہ کے *قریبی* لوگ اور پھر وہ لوگ جو ان کے جیسے ہیں (لیکن سب اللہ کے حضور اپنے درجات کے لحاظ سے کم درجے کے ہیں]۔ لہٰذا، جب میں بیمار ہوں، تو میری صحت کے بارے میں مت پوچھو۔" (*حدیث* یا حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہم کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں جو بہت بیمار نظر آتے ہیں لیکن بیمار نہیں ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی محبت کی وجہ سے ایسی حالت میں آ گئے ہیں، جن کی وہ اتنی پرستش کرتے ہیں کہ وہ بیمار نظر آتے ہیں۔ یقینا ، محبت بہت خود کو استعمال کرنے والی ہے!

اب آپ کو *"سبحان اللہ"*، *"الحمدللہ"*، *"لا الٰہ"* اور *"اللہ اکبر" (اللہ تعالیٰ کے* لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ *سوا کوئی معبود نہیں) اور* "اللہ اکبر" *(اللہ تعالیٰ سب سے بالاتر ہے) کی اصطلاحات کے معنی سمجھ لیں* کیونکہ یہ "معارفہ" کے اٹوٹ مجموعہ ہیں" یا خدا کی گنوسس۔

مفروضہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے نفس کو پہچانتے ہیں یعنی اپنے اندر جو تقویٰ اور نیکی ہے اس میں آپ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ تقویٰ اور نیکی کو پہچانتے ہیں اور اس طرح سبحان *اللہ* کو سمجھتے ہیں۔ جب آپ اپنے سلطنت کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے خدا کی بادشاہت سے واقف ہوجاتے ہیں اور پوری کائنات پر خدا کی عظیم الشان برتری کی سچائی کو جذب کرتے ہیں کیونکہ ہر چیز اس کے تابع ہے۔ تب ہی آپ غور کر سکتے ہیں کہ آپ کو الحمد للہ کا مفہوم سمجھ آ گیا ہے۔ بے شک تمام تعریفیں اور شکر اسی کے لیے ہیں اور صرف اسی کے لیے ہیں۔

اب آخری لیکن کم از کم، آپ کو یہ سمجھنا ہوگا کہ *"اللہ اکبر"* کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب صرف "خدا عظیم ہے" نہیں ہے۔ اس کا مطلب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے بڑا ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے باوجود، اس کے اور کسی اور کے درمیان کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہر طرح کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ لامحدود طور پر سب سے بڑا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا احاطہ کرتا ہے۔ وہ قادر مطلق ، جاننے والا ، ہر چیز پر حاضر اور رحم کرنے والا ہے ہم اس کی اور اس کی بہت سی منفرد اور شاندار خصوصیات اور طاقتوں کے بارے میں اس کی تخلیقی ذہانت اور اس کے مقدس ناموں سے جانتے ہیں۔ وہ اتنا عظیم اور بے مثال ہے کہ ہم کبھی بھی اس کی وضاحت کرنے یا اس کی نعمتوں کو شمار کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

خدا کی تقویٰ انسان کی تقویٰ کی طرح نہیں ہے۔ یہ صرف نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم ہی ہیں جو اس کی عظیم صفات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ڈھونڈ سکتے، اور ایسا کرتے ہوئے اس کی طرف ایسے الفاظ یا تاثرات منسوب کرتے ہیں جو کافی نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ تو وہ اس کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح، خدا ہمیں معاف کرتا ہے، جب ہم ایک انسان کی بادشاہی جس پر حکمرانی کرتا ہے اور خدا کی بادشاہی جس پر اس کی بادشاہی ظاہر ہوتی ہے کے درمیان موازنہ کرتے ہیں، تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ایک جیسے ہیں۔ اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کتنے نااہل ہیں، انسان کتنا بے بس ہے اور خدا کتنا جلال والا ہے! مثال کے طور پر ، اگر کوئی بچہ ہم سے کسی ریاست پر حکمرانی کرنے کی دلکشی کے بارے میں پوچھتا ہے اور اسے سمجھاتا ہے تو ، ہم جواب دیتے ہیں کہ جیسا آپ کو اپنے بیٹ اور گیند سے کھیلنے میں ملتا ہے ، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم حقیقت سے کتنے قریب یا دور ہیں۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور ہم اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ صرف خدا ہی خدا کو مجموعی طور پر جانتا ہے اور کوئی اور نہیں جانتا۔ ان حالات میں انسان کے لئے اپنانا بہترین طریقہ یہ ہے:

1. اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق اس کی گنوسس ("معارفہ") کی تلاش میں مگن ہو جاؤ۔
2. اس کی نعمتوں پر توجہ مرکوز کرنا اور اس کی روشنی (*"نور"*)، اس کی خوبصورتی (*"جمال"*) اور اس کی قدرت (*"قدرہ"*) کو اس کی الہامی صفات اور مخلوقات میں تلاش کرنا۔
3. اس کی مہربانی کے لئے اس کا شکر ادا کرنا۔
4. اپنے دل و جان کے ہر ریشے سے اس کی عبادت کرنا۔
5. اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔

ہم سب اسی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

إِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَ الْمَصِيرُ

اسی کی طرف ہمارا لوٹ کر جانا ہے اور اس کا ٹھکانہ ہے۔

جتنا زیادہ آپ اس سے محبت کریں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کی عبادت کریں گے، اتنا ہی آپ [اس کی طرف سے] برکت پائیں گے۔ وہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو مخلص ، مخلص ، عاجز ، محبت کرنے والے اور شکر گزار ہیں۔ اس طرح کے نیک اخلاق کا اجر یقینا ملے گا۔

اَنَا بُدُّكَ اللّازِمُ فَالْزِمْ بُدَّكَ

"میں (یعنی خدا) تمہاری ضروری ناگزیر ہوں اس لیے اپنی ناگزیریت کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔"

دل کے دل سے اس کی یاد *(ذکر)* کو صرف اپنی روح سے تمام [حقی] خواہشات کو الگ کرنے، [تمام] مکروہ اعمال کو ترک کرنے اور اس کی عبادت میں مکمل طور پر غرق ہو کر ہی مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ مخلص دل پرسکون اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔ مومن کی عظمت اس میں ہے:

قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ

"ایمان والے کامیاب ہوئے (حقیقی، آخری، دائمی اور ابدی کامیابی کے ساتھ)۔ (سورۃ البقرۃ البقرۃ آیت 1)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کیا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ ٱسْمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾

"بیشک وہ کامیاب ہے جو اپنے نفس کو پاک کرے اور اپنے رب کے نام کو یاد کرے اور اس سے دعا کرے۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 14 تا 15)

دنیا کو جاننا

الغزالی نے اپنی کتاب "*کیمیا* سعادت" یا "کیمیا یا ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لئے تبدیلی کا تغیر پذیر ایجنٹ" میں اس ابدی خوشی (یا تبدیلی کے ایجنٹ) میں سے تیسرے کی وضاحت کرتے ہوئے جاری رکھا ہے جو "دنیاوی زندگی کی دنیا اور حقیقت کو جاننا" ہے۔ ابدی خوشی کے تبدیلی کے ایجنٹ کی تیسری ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے - "دنیاوی زندگی کی دنیا اور حقیقت کو جاننا" ، وہ لکھتے ہیں:

پیارے محبوب! یہ دنیا ایک ایسا راستہ ہے جس پر انسان اپنے سفر پر اگلی دنیا کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ "*معارفہ*" یا گنوسس [خدا] کے ایک وسیع و عریض صحرا کے اختتام پر ایک نخلستان ہے۔ یہ دنیا *(دنیا)* اور آخرت *(اخیرہ)* دو شرائط ہیں۔ ایک حالت انسان کی زندگی اور وقت سے متعلق ہے (جو اس کے بہت قریب ہے) اس کی موت سے پہلے۔ آخرت انسان کی موت کے فورا بعد شروع ہوتی ہے۔ یہ دنیا (اور دنیاوی زندگی) انسان کے لیے ہے کہ وہ آخرت کی تیاری کرے۔ اس زندگی کا مقصد یہاں قیام کے لیے نیک اعمال کا ایک خزانہ جمع کرنا ہے جو آخرت میں نیک مقام پر کھڑا کرے گا۔ اگرچہ انسان کو اپنی ابتدا میں کمزور اور ادھورا پیدا کیا گیا ہے، لیکن بیک وقت انسان کو ایسی ذہانت سے نوازا گیا ہے کہ خدا کے احکامات پر عمل کرکے وہ "*کمال*" یا کمال اور فضیلت حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہو سکتا ہے، فرشتہ کی صفات حاصل کر سکتا ہے اور خدا کے جلال کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ کسی کے وجود کا مجموعہ ہے۔ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اس کی معرفت کی کلید انسان کی اس عظیم مہربانی کے شکر گزاری اور اس کی بے شمار نعمتوں کی تعریف اور اس کی تخلیقات کی دلکش خوبصورتی کے ادراک میں مضمر ہے۔ انسان کے ادراک کے حواس انسان کو اس کی پیدا کردہ دلکش چیزوں کا ذائقہ چکھنے اور لطف اندوز کرنے پر مجبور کرتے ہیں، بے پناہ خوبصورتی کی انوکھی شان کو دیکھتے ہیں، جو فطرت میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ کسی کے کان سکون بخش آوازوں اور موسیقی کی تعریف کرتے ہیں ، کسی کے ہاتھ محبت کے لمس کی گرمی کو محسوس کرتے ہیں ، وغیرہ۔ جب تک انسان زندہ ہے، انسان ان سب سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتا ہے کہ وہ بغیر کسی سے پوچھے بھی اس کے بے پناہ نعمتوں کا شکر ادا کر سکتا ہے]۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو ، وہ ان انٹیلی جنس [جمع کرنے] ایجنٹوں (یعنی

حواس) کی آزادانہ طور پر پیش کی جانے والی خدمات سے محروم ہوجاتا ہے جو اب باقی نہیں رہتے۔ لہٰذا انسان کو زندگی میں دو چیزوں کی ضرورت ہے:

1. اپنے دل کو ان چیزوں سے بچانا جو کسی کے دل کو مار دیتی ہیں۔ اپنے دل کو اس کی خوراک [اور غذائیت] فراہم کرنی چاہیے۔
(۲) اپنے جسم کو ان چیزوں کے مضر اثرات سے بچانا جو اسے نقصان پہنچاتی ہیں اور ہلاک کرتی ہیں۔ اسی طرح اسے کھانا فراہم کرنا چاہیے۔

اس سے پہلے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ دل کی غذا خدا کی محبت اور معرفت ہے جو اس فرمان پر مبنی ہے کہ ہر چیز کی خوراک وہی ہے جو اسے واقعی پسند ہے اور اس کی داخلی اور فطری خصوصیات کی بنیاد پر اس کی خواہش ہے۔ یہ پرورش دینے والا اور پائیدار بھی ہونا چاہئے۔ اس معاملے کے لئے ، جسم کی دیکھ بھال بھی دل کی خاطر ہے۔ کیونکہ جسم آخر کار ہلاک ہو جائے گا لیکن دل زندہ رہے گا [یہاں تک کہ موت کے بعد بھی] ہمیشہ کے لیے۔ اس سلسلے میں ایک سادہ سی مثال دی جا سکتی ہے، جیسا کہ جسم دل کے لیے ہے، جس طرح اونٹ (پرانے زمانے میں نقل و حمل کا ذریعہ ہے) خدا کی راہ میں حج یا حاجی کے لیے ہوتا ہے۔ اس پر سوار ہو کر "*خانہ کعبہ*" (مکہ مکرمہ میں خدا کا مقدس گھر) پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس درست نہیں ہے، یعنی حاجی اونٹ کے لیے نہیں بلکہ اونٹ حاجی کے لیے ہے۔ قدرتی طور پر حاجی اونٹ کو اس وقت تک کھانا کھلائے گا جب تک کہ وہ خانہ کعبہ تک نہ پہنچ جائے۔ اس وجہ سے کسی کی طرف سے کسی کی طرف سے کسی بھی طرح کی کمی یا تاخیر ، کسی کی طرف سے کسی کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔

اس معاملے کا مزید تجزیہ کرتے ہوئے انسانی جسم کو تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

a) کھانا
b) کپڑے
c) گھر.

دوسرے لفظوں میں کھانے کے لیے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے آپ کو ڈھانپنے کی ضرورت کے لیے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے، گھر حرم کی جگہ ہے جہاں گرمی اور سردی کے حملے سے پناہ حاصل کی جا سکتی ہے تاکہ جسم کو نقصان سے محفوظ رکھا جا سکے۔ مختصرا، یہ تینوں چیزیں جسم کی بنیاد، بنیادی شرائط ہیں، یعنی کسی کے جسمانی وجود کی بنیاد۔ تاہم اگر انسان ضرورت سے زیادہ کھاتا ہے تو وہ مر سکتا ہے۔ گھر اور کپڑوں کی خواہش بھی انسان میں روزی روٹی کے لیے پیدا ہو گئی ہے۔ اس نوعیت کی ضرورت سے زیادہ مانگ نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ یہاں عقل، عام فہم کسی کی مدد کے لیے آتی ہے اور جسم کے ان مطالبات میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہونے سے روکتی ہے۔ نیکی کا اصول جس میں تمام اخلاقی اقدار شامل ہیں یا جس سے وہ اخذ کی جاتی ہیں، سب سے زیادہ یا اعلیٰ ترین اچھائی جو ان کی نگرانی کرتی ہے، وہ دل ہے۔ اس کا کھانا عمدہ ہے۔ دل کو جتنا زیادہ کھانا ملتا ہے، اتنا ہی روح کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک دل خدا کی محبت اور جستجو کے ساتھ اچھی طرح پروان چڑھتا ہے ، اپنا مقام ڈھونڈ لیتا ہے اور جسم پر ایک نائٹ سوار کی طرح سوار ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کے پہاڑ کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ لہٰذا میرے دوست پر توجہ دیں اور اس کی لگام ڈھیلی نہ ہونے دیں۔ جب آپ جسم کی خواہشات پر مکمل طور پر قابو پا لیں گے تو لالچ، بددیانتی، ناپاک اور گمراہ کن خواہشات پر قابو پایا جائے گا۔

دنیا چیزوں کی تین اہم اقسام پر مشتمل ہے یعنی:

(۱) وہ چیزیں جو زمین پر پائی جاتی ہیں جیسے ہر قسم کے نباتات، کانیں اور جانور وغیرہ۔ زمین کی سطح اپنے آپ میں انسانی رہائش، زراعت وغیرہ کی بنیاد بناتی ہے۔

2) معدنیات جیسے لوہا، اسٹیل، کانسی وغیرہ کا استعمال انسانوں کو مختلف مقاصد کے لیے درکار آلات، اوزار اور دیگر آلات بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(۳) انسان جانوروں پر سوار ہوتا ہے اور ان کا گوشت کھاتا ہے اور کھانے کی دوسری چیزیں کھا کر اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں اپنے ہاتھ پاؤں اور سب سے بڑھ کر اپنے دل کو ان میں مصروف رکھتا ہے، کیونکہ اس طرح کے دل کی مکمل مصروفیت واقعی بہت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ یہ اپنے اصل مقصد کو فراموش کرنے اور دنیاوی لالچ، غیبت، غصے اور اسی طرح کے برے کاموں میں ملوث ہونے کی وجہ سے دل کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔

اسی طرح تین پیشے - سنار (دھاتوں کے لیے)، بنائی اور فن تعمیر کے پیشے بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ پیشے نہ صرف کسی نہ کسی شکل میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں بلکہ ان کے ماتحت تجارتوں سے بھی فعال طور پر وابستہ ہیں۔ جیسے کپاس چننے والے کپاس کے باغات سے کپاس کے پھول چنتے ہیں۔ کاسٹر فلف کو چھانتے ہیں۔ کپاس کے کاتنے والے انہیں دھاگوں میں گھماتے ہیں اور آخر کار کپاس کے بنکر انہیں مختلف قسم کے کپڑوں میں بنتے ہیں۔ اس کے بعد ان کپڑوں کو سلائی اور سلائی کی جاتی ہے۔ لوہا ساز ایسے اوزار بناتا ہے جس سے سلائی ، سلائی اور سلائی کی جاتی ہے۔ اس طرح مختلف پیشوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

ہر ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ قدرتی طور پر ، پیچیدگیاں اور پیشہ ورانہ حسد قائم ہوجاتے ہیں۔ درزی عملی طور پر بنے ہوئے مواد کے لیے بنکر اور کتائی کرنے والے پر انحصار کرتا ہے، جو اسے بڑھئی یا لوہے کے ذریعہ بنائے گئے اپنے مکینیکل آلات سے گھماتا ہے، جبکہ کسی کو سلائی کے لیے اپنے اوزار اور آلات کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس کے لیے لوہے کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے۔ دینے اور لینے کے اس پیچیدہ نظام کے نتیجے میں پیچیدگیاں اور رقابتیں پیدا ہوتی ہیں، جن کے لیے تین اہم چیزیں اور دیگر عوامل جو اس مسئلے پر اثر انداز ہوتے ہیں، ضروری ہیں:

1) سیاسی، دوسرے لفظوں میں، حکمت عملی کی ذہانت اور سیاستدانگی۔
2) مانیٹرنگ گیئر اور حکومت۔
3) "*علم الفقہ* یا مذہب میں طے شدہ قواعد و ضوابط کے مطابق قانون اور ضابطہ اخلاق کا علم۔

حتمی تجزیہ میں، یہ بنیادی ڈھانچہ مذکورہ بالا تین انسانی ضروریات یعنی خوراک، لباس اور گھر یا رہائش کی جگہ کو پورا کرنے اور ان کی تکمیل کے لیے ہے۔ باقی ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ یہ بنیادی انسانی ضروریات جسم سے متعلق ہیں۔ بدلے میں جسم دل ، روح کے لئے ہے۔ روح کو جسم پر اس طرح سوار ہونا پڑتا ہے جیسے حاجی (*حاجی*) کو کعبہ (حاجیوں کی آخری منزل - مکہ مکرمہ میں خدا کا علامتی گھر جو زمین پر خدا کی رحمت کی علامت ہے) تک پہنچنا پڑتا ہے۔ انسان کے معاملے میں کسی کا مقصد اس کا مترادف ہے، یعنی "*معارفہ*" یا خدا کی معرفت کے ہدف کو حاصل کرنا۔ *خانہ کعبہ* تک پہنچنے کے مقصد کو ذہن میں رکھنے کے بجائے اگر مذکورہ بالا حاجی سفر کے دوران، اونٹ کی دیکھ بھال اور دیکھ بھال کے دوران اپنا وقت ضائع کرتا ہے تو اس کی سنگین غفلت کا ذمہ دار صرف اپنے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ پیارے محبوب! اس سے سبق سیکھیں۔ زندگی کے اصل مقصد اور مقصد کی قیمت پر دنیاوی معاملات میں نہ پڑیں۔ زندگی کے بیکار مشاغل [اور بیکار تعاقب] میں دنیا میں ضائع ہونے والا وقت آپ کو بہت مہنگا پڑے گا۔ یاد رہے کہ زندگی کا یہ سفر دراصل آخرت کی طرف سفر ہے۔ اس دنیا کا کرشمہ بہت پرکشش ہے۔ اندر نہ لیا جائے۔ زندگی کے فتنوں سے اوپر اٹھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ دنیا *ہاروت* اور *ماروت*' (مشہور جادوگروں) سے بڑا جادوگر ہے۔ دنیا کی حقیقت کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے:

1 . اس دنیا کی طرف سے آپ پر جادو کا پہلا جادو یہ ہے کہ اس سے آپ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کی تمام کشش ہر وقت رہنے کے لئے موجود ہے ، جبکہ حقیقت میں ، معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وقت عارضی ہے ، مسلسل آگے بڑھ رہا ہے ، اگرچہ اس کے بجائے سست ، کیونکہ آپ اس کے خوشگوار لمحات میں وقت کی گنتی کھو دیتے ہیں۔ گزرتا ہوا وقت ، دنیا میں اس کا قدم ایک سائے کی طرح ہے۔ یہ ہمیشہ ایک سائے کی طرح غیر فعال نظر آتا ہے جو ساکت نظر آتا ہے۔ آپ کو بعد میں احساس ہوتا ہے کہ سایہ اب

وہ جگہ نہیں ہے جہاں وہ تھا ، اس کے بجائے یہ اپنی اصل پوزیشن سے آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طور پر منتقل ہوگیا ہے۔ یقینا دنیا حرکت میں ہے۔ وقت اور جوار کسی کا انتظار نہیں کرتے۔ لہٰذا ہوشیار رہیں اور اپنے پیروں تلے گھاس کو اگنے نہ دیں۔ حاصل کردہ ایک لمحہ ضائع نہیں ہوتا ہے لیکن ایک لمحہ کھویا ہوا کبھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ ہے ، زندگی مختصر ہے۔ تو کیوں نہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

2 . اس دنیا کے جادو کی دوسری مثال یہ ہے کہ یہ آپ کے ساتھ ایک پیارے دوست کی طرح سلوک کرتا ہے جس پر وہ دنیاوی محبت اور دوستی کے تحفے دینے کا بہانہ کرتا ہے، گویا یہ ایک وفادار ساتھی کی طرح ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا۔ یہ آپ کو اس کے حکم پر ہر دلکش چالاکی سے مسحور کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ اس کی توجہ کا واحد سب سے زیادہ پسندیدہ شے ہیں۔ لیکن بعد میں جب یہ آپ کو جھنجھوڑنے میں چھوڑ دیتا ہے تو ، آپ جھٹکے ہوئے اور کھو جاتے ہیں۔ آپ کو اپنی زندگی کا جھٹکا لگتا ہے۔ کیا ہوتا ہے کہ آوارہ فطرت کے ایک خوبصورت عاشق کی طرح ، وہ آپ کو اچانک چھوڑ دیتا ہے ، کسی اور پر اپنی ریشمی بیڑیاں باندھتا ہے ، اس طرح کے آسان شکار کو اپنے خطرناک پارلر میں لے جاتا ہے اور موت اور ویرانی کا مزہ چکھتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ مسیح نے ایسی اکثر شادی شدہ عورت (جو دنیا کی حقیقت کا مجسمہ تھی) کو "کشف" کی حالت میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اس نے کتنے شوہروں سے شادی کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے گنتی کھو دی ہے۔ یسوع نے پھر اس سے پوچھا، "کیا وہ مر گئے تھے یا تم نے ان سے طلاق لی تھی؟" اس نے جواب دیا کہ اس نے ان سب کو مار ڈالا ہے! یسوع اس افسوسناک جواب کو سن کر بغیر نہ رہ سکا، "ان لوگوں پر رحم ہو جو تیرے جادو میں گر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے پیشروؤں کے ساتھ کیا ہوا تھا ، پھر بھی وہ آپ کی خوبصورتی کے جادو میں چلے گئے ، موت کی طرف اور وقت پر کوئی سبق نہیں سیکھا۔

3 . اس تناظر میں تیسری مثال ایک بوڑھی عورت کی ہے جو اپنے چہرے کو دلکش نقاب سے ڈھانپتی ہے، اپنے آپ کو خوبصورت لباس سے سجاتی ہے، اپنے پروفائل کو شاندار انداز میں سجاتی ہے اور نایاب انمول زیورات پہنتی ہے تاکہ جو بھی اس پر نظر ڈالتا ہے وہ فورا اس سے محبت کر سکتا ہے۔ دنیا انسانوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتی ہے۔ یہ اپنی دلکش خوبصورتی اور خوشی کے ساتھ کسی پر ایسا جادو کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ کوئی اپنی عقل سے باہر نکل جائے اور اس کے زرہ بکتر سے دنگ رہ جائے۔ یہ اس کی مشکل پن کے تمام خیالات اور غور و فکر کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان یہ بھول جاتا ہے کہ زندگی مشکل اور سنجیدہ ہے۔ بعض اوقات کسی کو بہت دیر سے احساس ہوتا ہے جب یہ کسی کے لئے ایک بدتمیز صدمہ بن جاتا ہے جب بوڑھی عورت فیمی فیٹیل کا روپ دھار کر اپنا نقاب ہٹا دیتی ہے اور اس کے بجائے ایک بھیانک چہرہ دیکھتا ہے۔

4 . چوتھی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کائنات کے ارتقاء کے بعد سے گزرے ہوئے وقت کا حساب لگانے کی کوشش کرے ، وہ دور جب یہ کائنات غیر موجود تھی اور اب سے اس کے اختتام تک جو وقت رہ گیا ہے ، تو اسے معلوم ہوگا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے اور ایسا کرنے کا سوچنا بھی عقل کی حدود کو عبور کرنے کے مترادف ہے۔ سیدھے الفاظ میں ، جو کچھ جانتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی دنیا "جھولے سے قبر تک" ہے ، یعنی ، پالہ اس کی زندگی کے سفر کا آغاز ہے ، اس دنیا میں اور قبر اس کا اختتام ہے۔ درمیان میں کچھ اسٹاپ ہیں ، کوئی کہہ سکتا ہے ، جس میں سال ، مہینے ، دن اور آخر میں سانسیں شامل ہیں۔ کچھ لمبا فاصلہ طے کرتے ہیں اور کچھ چھوٹے۔ انسان کی دنیا کی زندگی طویل ہو یا چھوٹی، اس کی عمر [حقیقت] مختصر ہے لیکن انسان اس اہم نکتے کو مکمل طور پر بھول جاتا ہے۔ کوئی یہاں اس طرح رہتا ہے جیسے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ اگرچہ کسی کو اپنی اگلی سانس کے بارے میں بھی یقین نہیں ہے ، لیکن وہ اگلے دس سالوں کے لئے چیزوں کی منصوبہ بندی کرتا ہے تاکہ وہ ان کی ضرورت کو محسوس نہ کرے یا ان سے کم نہ ہو۔ شاید کوئی اس دن کو دیکھنے کے لئے زندہ بھی نہ رہے!

5 . زندگی کی لذتوں میں حد سے زیادہ لطف اندوز ہونا انسان کے آخرت کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ ضرورت سے زیادہ کھانا لالچی کے لیے نقصان دہ ہے۔ ایک بھوک دار مالامال ، میٹھا ، یا گرم ، مسالہ دار ، چکنائی والے کھانے پر چھلانگ لگاتا ہے اور اسے بے حیائی سے کھا جاتا ہے ، اس طرح کے بھاری اور غیر ضروری کھانے کے ساتھ اپنے پیٹ پر بوجھ ڈالنے کے نتائج کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں قے اور ڈھیلی حرکتیں شروع ہوجاتی ہیں۔ لمحہ بھر کے ذوق اور لذت کے لیے، کسی کی زیادتی انسان کو اس طرح کی ذلیلی، مصائب اور شرمندگی کا شکار کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ کھانے کے اتنے بھاری

کورس کے بعد فضلہ بھی بیمار اور ناگوار ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں جتنا زیادہ ہوس اور بے حیائی میں مبتلا ہوتا ہے، آخرت میں اتنا ہی ذلیل ہوتا ہے۔ سانسوں کے آخری لمحے میں انسان اپنے گھر میں پیسہ، سونا، چاندی، باغ، نوکروں اور نوکرانی کی پیمائش کرے گا، ان سے علیحدگی کا درد اتنا ہی شدید ہوگا۔ اس کے برعکس غریب کو کوئی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ درد کی اس طرح کی تکلیف صرف اس کی پہلے سے بگڑتی ہوئی حالت میں اضافہ کرتی ہے جس کا اختتام "*ذنب*" یا کسی کے برے اعمال کا بدلہ لینے پر ہوتا ہے۔

6. زندگی کا ایک اور غیر معمولی عنصر یہ ہے کہ اس دنیا کے معاملات ان کے بارے میں ناگزیر ہیں۔ وہ عام کاموں کی طرح نظر آتے ہیں ، معمول اور مشکل نہیں۔ دوسرے تمام تصورات اور تفکرات سے غافل ہو کر انسان ان میں مکمل طور پر مگن ہو جاتا ہے۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ پہیوں کے اندر پہیے ہیں اور ان میں پہیے ہیں۔ ایک چیز دوسری چیز کی طرف لے جاتی ہے ، جس کے نتیجے میں کسی کی زندگی ضائع ہوجاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ اس دنیا کا متلاشی اس شخص کی مانند ہے جس کے ہونٹ سمندر کے کنارے سے جڑے ہوئے ہیں اور اس سے اپنی پیاس بجھانے میں بے تابی سے مگن ہے۔ اس کی پیاس بڑھتی نظر آتی ہے۔ وہ جتنا زیادہ پیتا ہے ، اتنا ہی وہ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ آخر کار ، وہ اس بیکار تعاقب میں مر جاتا ہے ، پیاسا اور غیر مطمئن رہتا ہے۔ یہ ہے شہوت کی لعنت [اس دنیا اور اس کے مال] کے لیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص پانی میں ڈوب جائے اور گیلا نہ ہو۔ اس قسم کا ایسا شخص ، جس میں اس دنیا کے لئے اتنا واضح جنون ہے ، یقینی طور پر اس سے بدنام ہوگا۔

7. اس دنیا کی ساتویں مثال اس مہمان کی طرح ہے جو کسی ایسے میزبان کے پاس جاتا ہے جو بہت امیر ہے اور اس کی عادت ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ خوش اسراف کرتا ہے جو استقبال کے بہترین معیار کی وجہ سے بڑی تعداد میں کسی کے پاس آتے ہیں۔ ایک انہیں چاندی کے چولہے میں آبنوس اور عنبر کے خوشبودار ماحول میں عمدہ ڈیزائن اور سجاوٹ کے شاندار ڈیزائن اور سجاوٹ کی پلیٹوں میں عمدہ کھانے پیش کرتا ہے۔ ایک سمجھدار مہمان جو کسی کی فطرت کو سمجھتا ہے، شکر گزاری کے ساتھ اس میں حصہ لیتا ہے، اس میں اپنی تھوڑی سی خوشبو شامل کرتا ہے اور میزبان سے خوشی سے رخصت لیتا ہے، ان کے باہمی اطمینان کے لیے۔ دوسری طرف ، ایک لالچی مہمان اپنی مہمان نوازی کے بعد کسی کے قابل قیمتی سامان لوٹنے کی کوشش کرتا ہے ، اور اس عمل میں کسی کے نوکروں کے ذریعہ اسے پکڑ لیا جاتا ہے اور ذلیل کیا جاتا ہے۔ انسانی ہوس اور اس کی گھٹیا خواہشات فحش ہیں۔ اس دنیا کے اس سفر میں ، کسی کی اپنی جائز طور پر حاصل کردہ جائیداد اس کا اپنا حقیقی سامان ہے جسے وہ اپنے سامان کے طور پر اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ اس گیسٹ ہاؤس (یا جدید دور میں ہوٹل) میں، کوئی بھی صرف قانونی اور حقیقی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لالچ کسی کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

8. دنیا کی اگلی مثال یعنی اس کی مشغول نوعیت کی یہ ہے کہ انسان اس میں کھو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخرت کو مکمل طور پر بھول جاتا ہے مثال کے طور پر ، جہاز پر سوار لوگوں کا ایک گروپ۔ وہ راستے میں ایک جزیرے پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ تھوڑی دیر کے لئے تھوڑی دیر کے لئے قدم رکھتے ہیں ، ذاتی حفظان صحت اور وضو کرنے کے لئے۔ کپتان نے اعلان کیا کہ جہاز کو جلد ہی روانہ ہونا چاہئے لہذا انہیں اپنی تمام ضروریات کو جلدی سے پورا کرنا چاہئے اور جلدی سے جہاز پر سوار ہونا چاہئے۔ ان میں سے سمجھدار تیزی سے ایسا کرتے ہیں ، جبکہ سست لوگوں کا دوسرا گروہ ، ادھر ادھر بکھرے ہوئے ، نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے ، غیر ضروری طور پر جزیرے کا دورہ کرتا ہے ، اس جگہ کی قدرتی خوبصورتی ، اس کے نباتات اور حیوانات اور رنگین سمندری خولوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جب وہ واپس آتے ہیں تو ، انہیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاز پر آرام دہ اور پرسکون جگہیں لے لی گئی ہیں۔ لہذا ، انہیں تاریک اور گندے کونوں میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ ان کے بعد آنے والے لوگوں کا اگلا گروہ اپنے ساتھ ان شنکھوں کا بھاری بوجھ لے کر آتا ہے۔ اسی طرح کی فضول سیر و تفریح کی وجہ سے انہیں اپنے پیشرووں سے بدتر مقامات ملے۔ وہ اتنے الجھن میں پڑ جاتے ہیں کہ انہیں جہاز پر بیٹھنے کے لیے شاید ہی کوئی جگہ مل جاتی۔ اس کے علاوہ ، انہیں اپنے گلے میں باندھے ہوئے ان خوبصورت خولوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ دو دن کے بعد یہ گولے گندے ہو جاتے ہیں اور بدبودار ہونے لگتے ہیں۔ اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے ، وہ اس بوجھ کو بھی دور نہیں کرسکتے ہیں۔ ان کی شرمندگی اور توبہ بھی اتنی ہی بھاری ہے۔ بیکار افراد کا آخری گروہ جزیرے کی کھوج میں اتنا مگن ہو جاتا ہے کہ ان کی بے ترتیبی میں، وہ فوری

طور پر جمع ہونے کے لیے کپتان کی کال کا نوٹس لینے میں مکمل طور پر ناکام ہو جاتے ہیں، اپنے جہاز سے محروم ہو جاتے ہیں اور بیابان میں مر جاتے ہیں۔

مختصرا یہ کہ ان میں سے پہلا گروہ مومنوں کی طرح ہے اور ان میں سے آخری کفار کا ہے جو ان لوگوں کی طرح ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کو بھول گئے ہیں۔

استحبوا الحياة الدنيا على الآخرة

"انہوں نے آخرت پر دنیا کی محبت کو ترجیح دی ہے۔"

بیچوان دو گروہ وہ گنہگار ہیں جنہوں نے اپنے بہتر فیصلے اور مقرر کردہ طرز عمل کے خلاف غلطی کی۔ وہ دنیا اور آخرت میں دکھ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے بداعمالوں کی سزا کا نشانہ بنتے ہیں۔

ہوشیار رہیں کہ یہ دنیا کی مذمت نہیں ہے۔ بہر حال، دنیا خدا کی طرف سے پیدا کی گئی ہے، لہذا یہ بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ اس دنیا میں سب کچھ بری نہیں ہے۔ مثلا علم یا علم بذات خود اور *عمل* اپنے آپ میں دو خوبیاں ہیں۔ یہاں تک کہ یہ دونوں بظاہر اس دنیا میں ہیں، لیکن حقیقت میں آخرت میں انسان کے ساتھ ہوں گے۔ مثال کے طور پر "*معرفہ*" یا خدا کی معرفت اور اس کا حصول انسان کے وجود کی انتہا ہے۔ *"عمل"* یا کسی کے اعمال اور نیک اعمال کا اپنا مثبت دیرپا اثر ہوتا ہے، یعنی اس کے نتیجے میں روح کی پاکیزگی اور تقویٰ جو برائی کو ترک کرنے اور خدا کی عبادت کے ذریعے روح کی پرورش سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یاد کرنا انسان کا ہمیشہ کا اجر ہے۔

وَٱلْبَٰقِيَٰتُ ٱلصَّٰلِحَٰتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ

"اور دائمی نیکی کا اجر تیرے پروردگار کے ہاں بہتر ہے۔" (سورۃ البقرۃ آیت 18، آیت 46)

"ذکر"*کی لذت* ، یعنی خدا کا ذکر عمدہ ہے۔ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس دنیا میں اس کے سحر سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ آخرت کی نعمت ہے۔ اس دنیا کی ایک خوشی بھی ہے جو انسان کے مرتے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی محبت اور عبادت کی خوشی ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنيا ملعونة وملعون مافيها الاذكر الله وما والاه

"دنیا اور دنیاوی اثاثے تجزیاتی ہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو خدا کو یاد کرنے میں انسان کی مدد کرتی ہیں اور ان کی مدد کرتی ہیں وہ برکت والی ہیں۔

دنیا اور اس کی بہت سی خصوصیات کے بارے میں یہ مقالہ موجودہ گفتگو کے مقصد کے لیے کافی ہے۔ اس کے نتائج اور دیگر متعلقہ امور پر انشاء اللہ مناسب وقت پر بحث کی جائے گی۔

بعد کی زندگی کو جاننا

الغزالی نے اپنی کتاب "*کیمیا* سعادت" یا "کیمیا یا ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لئے تبدیلی کا تبدیلی کا ایجنٹ" میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لئے کیمیا (یا تبدیلی کے ایجنٹ) میں سے آخری کی وضاحت کرتے ہوئے جاری رکھا ہے جو "آخرت کی حقیقت کو جاننا" ہے۔ ابدی خوشی کے تبدیلی کے ایجنٹ کے لئے چوتھی ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے - "آخرت کی حقیقت کو جاننا" ، وہ لکھتا ہے:

پیارے محبوب! یاد رکھیں کہ جب تک آپ موت کی حقیقت کو نہیں جان لیں گے، آپ یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ آخرت کا کیا مطلب ہے۔ موت کی حقیقت، بدلے میں، زندگی پر براہ راست حوالہ اور اثر پڑتا ہے۔ زندگی کی صداقت روح

کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش میں مضمر ہے جو دوسرے لفظوں میں نفس کے علم کے مترادف ہے۔ تمام ارادوں اور مقاصد کے لئے ، روح اور نفس مترادف ہیں۔ اب تک ہم پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ انسان کو ایک جسمانی فریم کی شکل میں اس کے مکمل انفراسٹرکچر اور روح ("روح") کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔ اس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ روح سوار ہے اور جسم وہ پہاڑ ہے جس پر وہ سوار ہے۔

روح جنت میں ہو گی یا جہنم میں ہو گی اس کی شکل کے مطابق، چاہے جسم کچھ بھی ہو۔ اسے یا تو مقدس کیا جائے گا یا مذمت کی جائے گی۔ جسم کے بغیر انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت سے سرشار دل کے انمول اثاثے کو "روح کی جنت" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی ذات کے بابرکت کو آخرت میں خوبصورت محلات، باغات اور بے شمار دیگر لذتوں سے نوازا جائے گا [جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی دلوں نے کبھی سوچا ہو]۔ اس کے برعکس روح کو اذیت اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جسم کے بغیر اس کی اپنی برائیوں کی وجہ سے، اسے "روح میں آگ" کہا جاتا ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے کانٹے دار بیجز اور بچھو کسی کے ساتھی ہوں گے۔ اس موضوع پر مزید تفصیلات اس کتاب کی کتاب "*احیاء العلوم الدین*" یا "خدا کی راہ کی معرفت احیاء" میں فراہم کی گئی ہیں۔ بہت سے لوگ اس موت کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے جس پر ہم نے یہاں چھوا ہے۔ لوگ موت کے موضوع کے بجائے جنت اور جہنم پر زیادہ توجہ دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ *حدیث قدسی* (احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے) میں ہے کہ:

اعدت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت

ولا شکر علی قلب بشر

"میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی خوشیاں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ سے دیکھی گئی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں واقع ہوئی ہیں۔"

مزید برآں ، انسان کے دل میں ایک کھڑکی ہے جو آسمانی (یا روحانی) دائرے کی طرف کھلی ہے جس کے ذریعے وہ غیب کے اسرار کو دیکھتا ہے۔ یہ ان کو سنی سنائی باتوں سے نہیں جانتا بلکہ حقیقت میں ان کو دیکھتا ہے اور آخرت میں برکت کی کیفیت یا آخرت میں مذمت کی کیفیت کو دیکھتا ہے۔ یہ واضح طور پر سمجھتا ہے ، صحت مند یا بیمار ہونے کی دو حالتوں کے مابین واضح فرق جیسا کہ ایک معالج کرے گا۔ یہ بیماری کی صورت میں مناسب دوا لینے اور ڈاکٹر کی طرف سے مقرر کردہ روک تھام پر عمل کرنے کی فضیلت سے پوری طرح زندہ ہو جاتا ہے، اور اس نے حرام کردہ چیزوں سے باز آ جاتا ہے۔ اس عمل کو بدن کی برکت کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، ضرورت سے زیادہ کھانے اور اپنے ڈاکٹر کی طرف توجہ نہ دینا برا ہے اور اسے جسم کی بیماری ("*شقاوتو بدنیہ*") کہا جاتا ہے۔ عملی مشاہدے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آدم کی اولاد یعنی انسان کے دل میں نیکی اور مکروہ دونوں موجود ہیں۔ نیکی کا ثواب حاصل کرنے کا 'علاج' خدا کی عبادت اور معرفت میں مضمر ہے، جبکہ لعنت، بد اخلاقی کی زہر جہالت کی حماقت اور ذلت آمیز طرز عمل میں مضمر ہے [کیونکہ نیک مقاصد صرف نیک ذرائع سے ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں اور حقیر مقاصد ہی حقیر ذرائع کا نتیجہ ہیں]۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے ، عظیم حکمت حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو علماء یا علماء کہہ چکے ہیں، نہ صرف اس علم سے واقف ہیں بلکہ اس کے مخالفین اور منکر بھی ہیں۔ یقینا کسی چیز کو جاننے سے اس کو نہ جاننے کی وجہ سے جھکاؤ (*علیم*) اور جاہل بنا دیتا ہے۔ پھر بھی ، وہ وہاں موجود ہیں۔ وہ صرف جسمانی جنت یا جہنم کے بارے میں جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک آخرت سنی سنائی باتوں تک محدود ہے یا آنکھیں بند کر کے 'اکثر پیروی کی جانے والی' کی پیروی کرنے میں ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم نے عربی زبان میں ٹھوس دلائل کی بنیاد پر اس موضوع کے مطالعہ اور تحقیق میں حقائق کو تحریر کیا ہے۔

ہم ان حالات میں صرف یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ ایک ذہین اور ہوشیار شخص جس کے باطن یا روح پاک اور غیر متعصب ہیں، وہ آخرت کے فیصلے کی طرف جانے والا راستہ تلاش کرے گا، اس کے برعکس بہت سے لوگوں کے برعکس، جو اس کے بارے میں مکمل طور پر اندھیرے میں ہیں۔

موت کے بارے میں سچائی کو سمجھنے کے لیے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی دو طرح کی روحیں ہوتی ہیں۔ "*روح ہیوانی*" کا مطلب جسمانی اور حیوانی روح ہے۔ دوسرے کو "*روح انسانی*" کہا جاتا ہے جو انسان میں فرشتوں کی روح کی ابتدا کی روح ہے۔ ماخذ، ڈیلٹا، حیوانی روح کا چشمہ گوشت کا وہ گٹھڑا ہے جسے [جسمانی] 'دل' کہا جاتا ہے جو انسان کے اوپری بائیں طرف رکھا جاتا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

1 . اس میں اعتدال پسند فطرت کے جسمانی کنجوگیشن کی نازک طور پر نادان فیبریسٹی شامل ہے۔
2 . بخار یا ہلکا بخار جو اپنی ابتدا میں اعتدال پسند ہے، [جسمانی] دل کی رگوں سے نکلتا ہے، دماغ اور جسم کے دوسرے حصوں تک پہنچتا ہے۔
3 . یہ دھڑکتا ہے۔

مختصرا، یہ حیوانی روح ہے جو میڈیم اور تحریک کی ذمہ داری اٹھا رہی ہے اور چلا رہی ہے۔ جب یہ دماغ تک پہنچتا ہے تو ، اس کی گرمی کم ہوجاتی ہے اور نرم ہوجاتی ہے۔ آنکھیں اس کے ذریعے دیکھ سکتی ہیں اور کان سن سکتے ہیں۔ یہ آہستہ آہستہ تمام حواس تک پھیل جاتا ہے۔ روح کو چراغ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جب یہ گھر تک پہنچتا ہے تو ، جہاں اسے رکھا گیا ہے اس کے ارد گرد کی دیواریں روشن ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح جس طرح یہ چراغ ارد گرد کے ماحول کو روشن کرتا ہے، اسی طرح اس کے ارد گرد کے اعضاء ایک گھر میں ہیں، خدا اپنی اعلیٰ رحمت میں روشنی عطا کرتا ہے، آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت اور اس روح کے ذریعہ کانوں میں سننے کی صلاحیت اور تمام حسی اعضاء قابل (فعال ہیں)۔

دوسری طرف اگر کوئی رگ متاثر ہو جائے اور مروڑ جائے یا گرہ ہو جائے تو یہ مفلوج اور بے حس اور غیر فعال ہو جائے اور معالج اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ گرہ کھل جائے اور کسی نہ کسی طرح ہٹا دیا جائے۔ یعنی روح چراغ کے شعلے کی مانند ہے، دل بتی ہے اور کھانا تیل ہے۔ تیل کے بغیر ، چراغ ڈوب جاتا ہے۔ کھانے کے بغیر یعنی تیل کے بغیر روح کا اعتدال پسند مزاج رک جاتا ہے جس کے نتیجے میں موت واقع ہوتی ہے۔ اگر تیل موجود ہے لیکن بتی بہت زیادہ تیل استعمال کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عیب دار ہو گیا ہے اور وہ مرحلہ پہنچ سکتا ہے جب یہ بالکل کام نہیں کرتا۔ آخر کار دل کے ساتھ یہی ہوتا ہے - وہ اپنے کھانے کو قبول کرنے اور جذب کرنے سے قاصر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح چراغ کو ڈھانپ دیا جائے تو بتلی اور تیل کی موجودگی کے باوجود یہ بجھ جائے گا۔ اسی طرح ، ایک جانور اس وقت مر جاتا ہے جب وہ شدید زخمی ہوتا ہے۔

آئیے پالش آئینے کی مثال پر نظر ڈالتے ہیں۔ جب تک یہ صاف ستھرا اور صاف ستھرا رہتا ہے ، وہ اس کو قبول کرتا ہے جو اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے بہت اطمینان بخش طریقے سے آئینہ دار بناتا ہے۔ تاہم ، جب یہ گندا ، داغدار یا دھول سے ڈھکا ہوا ہے تو یہ ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ اس میں چیزوں کی تصویریں اور ظاہری شکل نظر نہیں آتی، اس لیے نہیں کہ وہ وہاں موجود نہیں ہیں، بلکہ اس لیے کہ آئینہ بہت گندا ہو گیا ہے اور اس وجہ سے تصاویر کی عکاسی کرنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح، میڈیم کی اس کو ہلنے کے قابل بنانے کی صلاحیت اور حیوانی روح میں اعضاء کی حساسیت کی وجہ سے اس کے موروثی فطری مزاج کی وجہ سے ہے اور اس کی باریک نازک اور نازک تپھ کی وجہ سے بھی۔ لیکن جیسے ہی نرم فطرت کی یہ خصوصیت ، اس کا مزاج ختم ہوجاتا ہے ، اس کی قوتیں جو بنیادی محرک کے طور پر کام کرتی ہیں ، کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ اس طرح خدا کی یہ انوکھی نعمت ضائع ہو جاتی ہے۔ جسمانی اعضاء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور انسان کو مردہ قرار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کردہ فرشتہ کا کام شروع ہوتا ہے، جسے ہمیں "*ملک الموط*" یا "موت کا فرشتہ" کہا جاتا ہے، شروع ہوتا ہے۔ اس طرح کے معاملات کا ادراک وہ بہتر طور پر جانتا ہے۔ ہم سنی سنائی باتوں سے انہیں "*ملک الموط*" یا "موت کا فرشتہ" کے نام سے جانتے ہیں لیکن ان کی اصل دیانت داری صرف چند لوگوں کے علم میں ہے۔

تاہم انسان کی موت کا سوال مختلف ہے۔ اوپر بیان کردہ حیوانی روح کے علاوہ انسان کی ایک اور روح ("*روح*") ہے جسے "*روح انسانی*" یا "انسانی روح" یا "دل" کہا جاتا ہے۔ یہ روح ، مذکورہ بالا جسمانی یا نامیاتی روح کے برعکس ، بہت اونچی سطح پر ہے۔ انسانی روح تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اس کی اہمیت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں "*معارفہ*" یا خدا کی گنوسس موجود ہو سکتی ہے۔ بے شک اللہ بھی ایک ہی ہے۔ اس کی

"*معارفہ*" یا گنوسس کی تقسیم بھی قابل قبول نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی "*معرفہ*" یا گنوسس کا تصور کسی بھی جسمانی شکل میں گھیرے ہوئے ہے، توہین رسالت کے مترادف ہے۔

پیارے محبوب! اگر دلیل کی خاطر ہم بتی، اس کے شعلہ اور انسان میں روشنی کی موجودگی کو پہلے سے فرض کر لیں تو ہم صرف چراغ کے جسمانی اجزاء یعنی اس کی ساخت اور بتی کو حیوانی شکل سے منسوب کرنے کے قابل ہوں گے، تو ہم بھی اس کی روشنی کو اس طرح سے منسوب نہیں کر سکیں گے، انسان کی 'انسانی روح' کے مطابق ہے۔ یہ ظاہر ہے، کیونکہ اس کا سابقہ عارضی ہے، لیکن مؤخر الذکر نہیں ہے، یعنی جسمانی چراغ کی روشنی چراغ کے تابع ہے۔ اگر چراغ ٹوٹ جائے تو اس کی روشنی بجھ جائے گی۔ لیکن انسان کی حقیقی روح (یعنی 'انسانی روح') کبھی بھی ختم یا ختم نہیں ہوتی، اگرچہ کسی کی 'حیوانی روح' فنا ہو سکتی ہے۔ ایک طرح سے، انسان میں حیوانی روح انسان کی حقیقی روح کا پہاڑ ہے جس پر وہ کاٹھی اور دوڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا کرنے کا آلہ بھی ہے جو کسی کے فائدے کے لیے ہے۔ چنانچہ جب یہ پہاڑ (یعنی حیوانی روح) فنا ہو جاتا ہے تو انسان اس کا استعمال کھو دیتا ہے۔ اسی طرح ، اس کی غیر موجودگی میں ، ایک شخص زیادہ اعتماد حاصل کرتا ہے اور زیادہ خود مختار اور خود انحصار بن جاتا ہے۔ خاص طور پر اس عرصے کے دوران انسان نے اتنی محنت کی ہے کہ وہ پہلے ہی حساب کتاب اور قابل ذکر مقام حاصل کر چکا ہے۔ اس جلال پر مہر لگانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔

صورتحال ایک شکاری کی طرح ہے جو اپنے شکار کے سامان اور سامان کے ساتھ میدان میں ہوتا ہے۔ دلیل کی خاطر ، اگر کوئی اس شکار کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جس کے لئے وہ خاص طور پر تمام راستے پر آیا ہے لیکن [اس عمل میں] اپنا سامان کھو دیتا ہے ، تو وہ پھر بھی بہتر ہے۔ متبادل کے طور پر ، اگر کوئی شکار حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنے شکار کا سامان کھو دیتا ہے تو ، اس کی حالت اس کی پریشانی کے لئے بدتر ہو جائے گی [کسی کے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے]۔ اس کے لئے اس میں ایک گہرا سبق ہے۔ ایسا شخص اپنی ناکامی کو اپنے ہاتھوں سے پورا کرتا ہے۔ آخرت کا عذاب کسی پر غالب آ جاتا ہے اور بے شمار عذاب ہوں گے

ایک شخص کچھ اعضاء میں مفلوج ہوسکتا ہے۔ کسی کے ہاتھ اور پاؤں کام کرنا چھوڑ سکتے ہیں۔ کسی کو یاد رکھنا چاہئے کہ کسی نے ابھی ان آلات کا استعمال کھو دیا ہے۔ جس چیز کا علاج نہیں کیا جا سکتا اسے برداشت کرنا چاہیے۔ لہٰذا جب تک انسان، ماسٹر ایجنٹ زندہ ہے، ان اعضاء کی اہمیت ثانوی ہے۔ کسی کی سچائی ، لہذا حقیقت ان میں نہیں ہے ، نہ پیٹھ میں ، نہ پیٹ میں اور نہ ہی سر میں۔ اس معاملے میں ، یہاں تک کہ اگر کسی کے جسم کے تمام اعضاء کام کرنا چھوڑ دیں ، اپنے خادم بننے سے باز آجائیں اور کسی کے قابو میں نہ رہیں ، پھر بھی اس کی عدم وجود ممکن ہے ، کیونکہ حیوانی روح انسانی روح کی طرح نہیں ہے۔ تاہم، اس کے دو پہلو ہیں جن پر دوبارہ زور دینے کی ضرورت ہے:

1. ایک قسم کے وجود میں [جسے زندگی کہا جاتا ہے] ، جسم کی فعال شرکت ضروری ہے۔ بھوک، پیاس، نیند وغیرہ وہ مظاہر ہیں جو جسمانی شکل کے بغیر نہیں ہوتے اور نہ ہی کام کرتے ہیں بلکہ انسان کے مرنے پر مر جاتے ہیں۔
2. دوسرے وجود میں [صرف 'انسانی روح' یا "*روح انسانی*" کے ساتھ]، جسم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ وجود خدا کی گنوسس ("*معارفہ*") کی عظیم الشان خوبصورتی ("*جمال الٰہی*") کی جستجو کا عظیم الشان ہے، اس کی شاندار شان و شوکت اور عظمت کے برابر؛ خوبصورت، حیران کن اور اتنی دلکش ہے، کہ خوشی اپنی اعلیٰ مسرت میں دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ وہ دائمی نعمتیں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ یہ 'بابرکت اور اچھائی کی ابدی نعمتیں' خدا کا بے مثال انعام ہیں، جس کے لیے انسانی روح کو ہمیشہ مطمئن رہنا چاہیے۔ خدا کی اشرافیہ، منتخب کردہ افراد کے پاس یہ خوبی ہے جو ان کے نفس میں سب سے اوپر ہے ("*نفس*") جو خود بخود انہیں ہمیشہ چڑھتے ہوئے اونچے مقام پر لے جاتی ہے۔ اس کے برعکس، غفلت، جہالت اور حماقت اس کا دوسرا رخ ہے جو بدحالی اور روح کی اندھا پن کے مترادف ہے:

وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِۦٓ أَعۡمَىٰ فَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ أَعۡمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلٗا ﴿٧٢﴾

"اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا اور راہ سے زیادہ گمراہ ہو گا۔" (سورۃ البقرۃ البقرۃ آیت 72)

جب تک آپ انسان میں ان دونوں قسم کی روحوں کے درمیان فرق نہیں سمجھیں گے، آپ موت کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

حیوانی روح جسمانی کورس کی ترتیب میں ہے ، خام بنیادی طور پر بخارات جینیات سے متعلق ہے ، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ بائل ، فائبروسس ، اور دیگر فضلہ مل کر اس کا مرکب بناتے ہیں۔ ان کے بنیادی عناصر پانی ، آگ ، دھول اور ہوا ہیں۔ لہذا ان کے تعامل سے پیدا ہونے والی یکسانیت یا تغیر کو متعلقہ گرمی، سردی، نمی اور خشکی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ طبی علم یا اس کا پریکٹیشنر - ڈاکٹر - اس کے نتیجے میں ان کی اہمیت سے پوری طرح زندہ رہتا ہے۔

تاہم، وہ نہیں جانتے کہ اپنے مریضوں کے جسم کے علاج میں، وہ غیر ارادی طور پر جسم کے جسمانی فریم کو 'انسانی روح' کے ذریعہ سوار ہونے کے قابل بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، جو انسان کی حقیقی روح ہے۔ فطرت میں فرشتہ، "*نفس المطمینہ*" یا انسان کی نفیس روح جو باطنی سکون اور مکمل اطمینان کی سطح پر پہنچ چکی ہے، اس کی عظیم خصوصیات ہیں۔ انسان کا زندگی کا سفر اپنی مرضی سے نہیں ہوتا۔ کسی کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس خرابیوں کے راستے کی اپنی حقیقی قیمت کو ظاہر کرنے اور اسے گول پوسٹ تک پہنچانے اور اس محنت اور مصیبتوں کا صلہ حاصل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، جس کا سامنا اس مشکل راستے میں بہادری سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾

ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ (یعنی خدا کی خدمت میں جنت سے)۔ یہ آدم اور حوا کو مخاطب کیا گیا تھا] ایک ساتھ؛ تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے گی پھر جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورۃ البقرۃ باب 2، آیت 28)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾
فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِى فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں پھر جب میں انسان کو بناؤں گا اور ایک روح میں پھونکوں گا جو میری طرف سے پیدا کی گئی ہے۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت 71-72)

اس آیت میں ان دونوں روحوں کے درمیان فرق کا ایک لطیف حوالہ ملتا ہے۔ ایک کو خاک سے منسوب کیا گیا ہے اور وہاں کا لفظ فطرت میں اس کے مزاج کے معنی بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، جب کہ "*نفختو فی من* روحی" یا "میں نے اپنی روح میں پھونک دیا" 'اپنی نفس' کی طرف ایک نازک اشارہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اس بیماری کے جراثیم کو ختم کرنے کے لئے اسے آگ لگانے کے لئے روئی کی اون کی مشعل بنانا۔

یاد رہے کہ اس کا بنیادی عنصر "انسان کے لیے الہی قانون اور ضابطہ اخلاق" ہے جو کسی کے رہنما، ماڈریٹر اور نگران کا کام کرتا ہے۔ حتمی تجزیہ میں ہم ایک بار پھر اسی چیز کی طرف آتے ہیں، یعنی انسان کے وجود کا جوہر، خدا کی "*معرفہ*" یا گنوسس حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کے ادراک میں ہونا۔ اپنے نفس کو کیسے سمجھنا اور پہچاننا یہ کلید ہے کہ کس طرح خدا کی "معرفہ" یا گنوسس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح ان روحوں کے بارے میں سچائی کو سمجھنا آخرت کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

ایمان کی بنیادی بنیاد ("*دین*" یا خدا کا راستہ) ، دیگر شرائط کے علاوہ ، خدا اور اس کے مقرر کردہ 'قیامت کے دن' پر واضح ایمان میں مضمر ہے۔ اس میں اس کی تنہائی میں ایک خفیہ ریکونڈائٹ ہے جہاں ہمیں چھونے کی اجازت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی گہرائیوں میں "*معارفۃ الحق*" اور "*اخیرہ*" یعنی رب تعالیٰ کی سچائی اور اس کے آخرت کے وعدے میں پوشیدہ ہے۔ لہذا ، آپ اس کے علم اور تفہیم حاصل کرنے کی کوشش میں مکمل طور پر داخل ہوسکتے ہیں اور اپنی حکمت کو ختم کرسکتے ہیں۔ اس کی تحقیق اتنی خوفناک ، اتنی عجیب ، اتنی پیچیدہ ہے کہ یہ ناقابل فہم حد تک پہنچ جاتی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے بارے میں کم سے کم سنا ہے وہ حیرت زدہ ہوگئے ، حیران ہوگئے اور اس کے الفا اور اومیگا کو بھی قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ یہ ناممکن ہے ، فکر کی بے دینی اور بیکار میں ایک بالکل نالائق مشق پر مبنی ہے۔ نہ تو نبوی کی روایات اور نہ ہی قرآن کریم اس مسئلے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر آپ ایسا کرنے کی ہمت کیسے کر سکیں گے؟ یہی وجہ ہے کہ لوگ اسے نہیں سن سکتے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں:

كلموا الناس على قدر عقولهم

"لوگوں سے ان کی ذہانت [اور ذہنی صلاحیتوں] کی سطح کے مطابق بات کریں۔"

یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو خدا تعالیٰ کی ان خصوصیات کو چھونے سے منع کیا گیا ہے جن کو لوگ سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ جب وہ ان کو سمجھ نہیں پائیں گے تو وہ ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیں گے جو ان کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

انسان کی حقیقی روح ('انسانی روح') کے بارے میں حقیقت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ 'حیوانی روح' اس وقت مر جاتی ہے جب انسان کے جسم کے اعضاء بے جان اور بے جان ہوجاتے ہیں۔ 'انسانی روح' [زندگی یا موت] سے قطع نظر ظاہر رہتی ہے۔ لہٰذا انسان کا قیامت، قیامت کا دن، قیامت کی اصطلاحات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ 'کچھ بھی نہیں' کے بعد انسان دوبارہ وجود میں آئے گا۔ بلکہ ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو شکل دی جائے گی ، ایک نیا جسم ، جس طرح سے یہ پہلے کیا گیا تھا اور پھر اسے دوبارہ مطلوبہ خصوصیات اور خصوصیات کے ساتھ تجدید کیا جائے گا۔ یہ خدا کے لیے بہت آسان ہو گا [پہلی تخلیق کے مقابلے میں جس میں جسم اور روح دونوں پیدا کیے گئے تھے]۔

انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ نیک اعمال کے نتیجے میں روح کی پاکیزگی اور عظمت ہوتی ہے۔ اس طرح کے نان کنفارمسٹوں کو تسلیم کرنے میں کیوں ناکام رہنا چاہئے ، یہ کسی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ لہذا، کسی کو منطقی طور پر سیکھنا چاہیے کہ مقدسین (گنوسٹکس)، خدا کی اشرافیہ، اپنے آپ کو اس دنیا کے سفر میں سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص جو اس راستے پر سفر کر رہا ہے، نقصان سے بچنے کے لیے اپنے منافع اور غیر منافع بخش سامان کی تجارت اور جمع کر رہا ہے، دراصل اپنی آخری منزل یعنی آخرت کی راہ میں اپنی طرف سے کی جانے والی اچھی سودے بازی کر رہا ہے۔ کوئی جانتا ہے:

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ

"ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمارا لوٹ کر جانا ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 2 آیت 156)

لہذا ، کوئی شخص ہر وقت ٹرانزٹ میں ہونے کی حیثیت سے مکمل طور پر زندہ رہتا ہے۔ کسی کا اصل ملک یہ دنیا نہیں ہے۔ اس طرح ، کوئی شخص مختلف ٹھہرنے والے مقامات (اسٹاپ) اور سنگ میل پر اپنے قیام میں آخری سامان جمع کرتا ہے ، اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مقصد تک پہنچتا ہے تو ، اس کے لئے اس کی مناسب قیمت ملے گی جو اس نے اب تک اپنے مستقل رہائش کے ملک میں ، آخرت کے ملک میں حاصل کیا ہے۔

روح کے سفر میں چار الگ الگ مقام یا سنگ میل ہوتے ہیں۔ روح انسان کی حقیقت ہے جبکہ جسم نہیں ہے۔ روح کی ایک آرام گاہ بھی ہے - جس جگہ سے اس کی ابتدا ہوئی ہے وہ اس کا اصل گھر یا ملک ہے اور یہ اپنے سفر میں اس دنیا میں آیا ہے اور اس کے پاس بہت سے سنگ میل ہیں اس سے پہلے کہ وہ اپنی اصل میں واپس آجائے۔ روح کے سفر کا ہر سنگ میل ، اپنے آپ میں ایک دنیا ہے اگر کسی فلسفیانہ غور و فکر سے دیکھا جائے۔ وہ درج ذیل ہیں:

(۱) پہلا سنگ میل عالم *محسوسات* یا "حواس و حساسیت کا دائرہ" ہے۔
(۲) دوسرا سنگ میل "*عالم تخییلات*" یا "تصور کے دائرے" کا ہے۔
(۳) تیسرا سنگ میل عالم *موہمت* کا ہے یا غیب کی عقل کا عالم ہے۔
چوتھا سنگ میل "*عالم مقولت*" یا "نظم و نسب، کامیابی اور خود آگاہی کے دائرے" کا ہے۔ اسی سنگ میل میں انسان کو خود یا اپنی حقیقت اور سچائی کے بارے میں شعور ملتا ہے۔

آئیے مندرجہ ذیل مثال کے ذریعہ ان کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کریں:

1 . جب تک کوئی شخص "*عالم محسوسات*" یا "عقل و حساسیت کے دائرے" میں رہتا ہے یا رہتا ہے، وہ ایک کیڑے کی مانند ہے جو جلتی ہوئی شعلہ کے گرد منڈلاتا اور منڈلاتا ہے۔ کیڑے کی آنکھیں ہیں لیکن اس میں سوچنے اور یاد رکھنے کی عقل نہیں ہے۔ جلتے ہوئے شعلے کے لیے کیڑے کی کشش اس کی اندرونی خصوصیت کے لیے محاورہ ہے کہ وہ اندھیرے سے بچنے اور روشنی کی محبت سے بھڑک اٹھے۔ چونکہ اس کے پاس متوازن سوچ اور حفاظت کی طاقت نہیں ہے ، لہذا روشنی میں باہر نکلنے کی تلاش میں ، یہ غلطی سے جلتے ہوئے شعلے کو وہ افتتاحی سمجھتا ہے ، جس کے نتیجے میں یہ بالآخر تاپدیپت شعلہ پر گر جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اگر کیڑے کو استدلال کی صلاحیت سے نوازا جاتا تو ، اس کے پروں پر پہلی گرم چمک محسوس ہونے کے بعد وہ شعلے کے قریب نہ جاتا۔ عقل کی یہ کمی کیڑے کو کسی حساب کی حیثیت تک نہیں پہنچتی ہے۔ مثال کے طور پر ، اس کے برعکس ، دوسرے جانور کسی چیز سے دور ہونے کی کوشش کرتے ہیں جب انہیں چوٹ پہنچتی ہے۔ چھڑی کو دیکھ کر ہی وہ خطرے سے بھاگ جاتے ہیں۔

2 . عالم تخیلات کے *دوسرے مرحلے میں* انسان مویشیوں اور کمزور جانوروں کے دائرے میں رہتا ہے۔

3 . تیسرا دائرہ مذکورہ بالا "*عالم موہمات*" یا "نافہم کی تمیز کا دائرہ" کا ہے۔ اس سطح پر انسان بکری اور گھوڑے کے برابر آتا ہے، یعنی دوسرے مرحلے کے کمزور ذہن والے جانوروں کے برعکس اس مرحلے پر انسان اپنے دشمنوں کو پہچان لیتا ہے اور قدرتی محرکات سے خطرے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، یعنی اپنی جان کے لیے بچنے کی کوششیں، جس لمحے وہ بھیڑیے یا شیر پر نظر ڈالتا ہے، اگرچہ کسی نے انہیں پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک میں کوئی چیز کسی سے کہتی ہے کہ وہ کسی طاقتور بیل ، اونٹ یا زرافے سے نہ ڈرے ، حالانکہ وہ ان سے بڑے ہیں۔ یہ جبلت فطری طور پر [اور اندرونی طور پر] خدا کی طرف سے اس میں پیوست ہے۔ پھر بھی یہ جانور اتنے ذہین نہیں ہیں ، یعنی ، اس سطح پر جہاں وہ اپنی دیکھ بھال کرنے کے قابل سمجھا جاسکتا ہے جو چوتھے مرحلے میں آتا ہے۔

4 . چوتھا مرحلہ "*عالم مقولت*" یا "نظم و نسب، کامیابی اور خود آگاہی" کا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے مرحلے تک انسان گمنامی کے دائرے میں رہتا ہے۔ دراصل یہیں سے ہی انسان انسان کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے، یعنی انسان کی شان و شوکت کے دائرے میں۔ اس مرحلے میں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جہاں قیاس آرائی اور توہم پرستی مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔

"*عالم محسوسات*" یا "حواس و حواس کے دائرے" میں انسان آنے والی چیزوں سے گریز کرتے ہوئے چیزوں کو ان کے صحیح تناظر میں جانچنا اور جانچنا شروع کرتا ہے۔ یہاں ، کوئی چیزوں کا خلاصہ کرتا ہے جیسا کہ کوئی ان کو دیکھتا ہے۔ چیزوں کی ایک ہستی ہوتی ہے ، ایک شناخت ہوتی ہے۔ کوئی ان کی صحیح درجہ بندی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور عام طور پر ایسا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ فطری طور پر "*محسوسات*" یا "حواس اور حواس کے دائرے" میں انسان کا ارتکاز ایسے احساسات پر مبنی ہوتا ہے جو زمین پر چلنے جیسے کسی کے فہم احساسات سے انسان تک پہنچتے ہیں۔ لیکن آخر میں ، چوتھے مرحلے میں ، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کی اس سے کہیں زیادہ کام کرنے کے قابل ہونے کی صلاحیت بھی ہے ، جیسے پانی پر چلنا۔ یہ انسان کے عروج کا مرحلہ ہے، "*عالم مقامات*" یا "نظم و نسق، کامیابی اور خود آگاہی" کا دائرہ۔ یہاں واضح موازنہ میں ، ایک گھومنے پھرنے والا ایک مختلف نوعیت کے حقائق کی صداقت پر مبنی ہوسکتا ہے ، جسے کسی کی روح قبول کرتی ہے اور اس طرح پانی پر چلنے کے قابل ہونے کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ یہ انبیاء اور خدا کے "*والیوں*" یا قریبی دوستوں یا اولیاء کی اعلیٰ حیثیت ہے،

جیسے ہوا میں چلنا۔ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ مسیح پانی پر پانی دے سکتے ہیں؟ اس نے جواب دیا:

وَلَوْ اِزْدَادَ يَقِيْنًا لَمَشٰى فِى الْهَوَاءِ

"اگر اس کی سزا زیادہ مضبوط ہوتی تو ، وہ ہوا میں چل پڑتا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں *"عالم ادراک"* یا "قابل تصور یا ممکن" کے دائرے میں ہیں۔ اس طرح انسان کے پہلے پائیدان سے لے کر آخری پائید تک قد کی سیڑھی پر چڑھنے اور فرشتے کی صفات حاصل کرنے کے بہت سے مراحل ہیں جو انسان کو اپنے *"معراج"* یا کامیابی اور شان کی چوٹی پر لے جاتے ہیں۔ اس چڑھائی میں *"اسفلس سفیلین"* کے نچلے طبقے سے لے کر "اعلیٰ ترین طبقہ" کی چوٹی تک بہت سے خطرات موجود ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

"ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرنے لگے۔ انسان نے اسے اٹھا لیا جو یقینا ظالم اور جاہل تھا۔ (سورۃ البقرۃ 33، آیت 72)

جانوروں اور پتھروں کی سب سے نچلی حیثیت سے فرشتوں کے مقام تک انسان کے عروج کے مختلف مراحل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ *"جمادات"* یا پتھروں، نشوونما اور نباتات میں زمین پر جو کچھ ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتے۔ اس کے برعکس ، *"الا علیین"* یا اونچائی میں سے سب سے اونچا اپنی شان و شوکت کی بلندی پر کھڑے ہیں۔ ان کے لیے وہاں سے اترنا ممکن نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے:

وَمَا مِنَّآ إِلَّا لَهُۥ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ

"ہم میں سے ہر ایک کا وہاں ایک جانا جاتا اسٹیشن ہے۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۴)

جانور سب سے کم "اسفالوس سفیلین" *میں شامل ہیں۔* اس لیے ان کے لیے کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی ہے۔ تاہم [روحانی سیڑھی کے درمیانے درجے میں] انسان خطرے میں ہے۔ کوئی بھی جانوروں کی گہرائیوں میں ڈوب سکتا ہے، [ان کی طرح بننے کے لیے]۔ کوئی بھی فرشتوں کی سطح کی بلندیوں (*"ملائکا"*) کی بلندیوں تک بھی بڑھ سکتا ہے۔ *"اشرف المخلوقات"* یا تمام مخلوقات میں سے بہترین ہونے کی اتنی سنگین ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت، لہٰذا [انسان] کے جوہر کا معاملہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف انسان *ہی اس چیلنج کو قبول کر سکتا* ہے، جو اشرف المخلوقات یا تمام مخلوقات میں بہترین ہے۔

لہٰذا اس مقالے کا مفہوم اور مقصد یہ ہے کہ چیزوں کو گہرائی سے دیکھنا ہے، نہ صرف اس بات پر سطحی نظر ڈالنا ہے کہ وہ سطحی طور پر کیا نظر آتی ہیں بلکہ یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ واقعی کیا ہیں۔ زندگی کے دوران انسان کے سفر کے مقصد کے بارے میں یہ گفتگو ان لوگوں کے لیے سوچنے کی غذا ہے جو حکمت کے الفاظ کو اٹھانا چاہتے ہیں اور ان کی داخلی قدر پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں۔ اس نوعیت کے بہت سے کام نہیں ہیں اور نہ ہی بہت سے لوگ ہیں جو اسے سمجھنا چاہتے ہیں یا سمجھنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اس موضوع پر موجودہ مکالمہ کافی ہونا چاہیے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نہ تو عقلمند ہیں اور نہ ہی وہ الٰہی قانون پر عمل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو *اخیرہ یا آخرت کے بارے میں اپنے آپ کو پریشان پاتے* ہیں۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب دنیاوی خواہشات ان پر غالب آجائیں تو ان کے لیے آخرت کی تردید کرنا مناسب ہوتا ہے۔ وہ ایسا کرتے ہیں اور اپنے دفاع کے بہانے بناتے ہیں۔ شیطان اپنے برے اعمال ، اپنی تمام دلکشی اور مددوں کے ساتھ ان کی نگرانی کرتا ہے اور انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرتا ہے کہ قیامت کی سزا ایک خیالی فریب ہے جو لوگوں کو خوفزدہ

کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جہاں تک راستبازوں کے لئے جنت کے وعدے کا تعلق ہے تو ، وہ اسے محض کرشماتی نمائش کے طور پر بھی برانڈ کرتے ہیں ، ذہنی دھوم دھام کا ایک تصور جو انسان کو خشک ، اداس زندگی کی مشکلات میں ڈالنے کے لئے تیار ہوا ہے اور کچھ نہیں۔ لہذا، وہ شریعت الٰہی کے پیروکاروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کچھ لوگ چیتھڑے (عاجز صوفیاء کا لباس) پہن کر اس طرح کے تمام تحفظات سے بالاتر ہونے کا بہانہ کرتے ہیں۔ اس طرح کے دکھاوے ان کی کم سے کم مدد نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ان کے پاس میرٹ کا کوئی مقام ہے۔ دراصل، اس طرح کے دھوکے باز اپنے آپ کو اتنا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جتنا دوسرے سادہ لوح لوگوں کو جو ان سے دھوکہ کھا کر انہیں کسی روحانی حیثیت کے لوگ سمجھتے ہیں، جسے وہ سمجھ نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس ان کی تائید کے لیے کوئی منطق یا دلائل نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں میں کوئی حقیقی پوشیدہ قدر کیسے ہوسکتی ہے؟ ان کی آستین میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں ان کو بلا شبہ یہ بتانا چاہیے کہ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء، زمانے کے تمام علماء، تمام علماء اور اولیاء (اللہ کے دوست اور مقرب) سب غلط تھے اور صرف وہی حق ہیں تو ان کی جہالت اور تکبر کی روشنی میں اس موضوع میں مزید اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاید آپ ہی غلطی پر ہیں۔ پس تم آخرت اور اللہ کے عذاب کے بارے میں سچی بات نہیں سمجھ سکے*اذاب*")، روح کی اذیت، ہمارے حسی ادراک کے غلبے کی وجہ سے "روح" کا حکم ہے، جو پانچ حواس کے ذریعہ تجربہ نہیں کیا جاتا ہے اسے قبول کرنا، اس طرح کی کمزور زمین پر غلط ہونے کے طور پر ٹھوس نہیں ہے۔ اس طرح کے تکبر کے حامل شخص کو فوری طور پر تشخیص کرنا ضروری ہے کہ وہ کسی کے صحیح عناصر میں بالکل بھی نہیں ہے خاص طور پر جب کوئی یہ کہتا ہے کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ دو ایک سے زیادہ ہیں، مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ 'روح' جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے ، اور جسمانی خوشی یا درد کو کسی بھی حالت میں روح کی خوشی یا درد کے ساتھ مل کر نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا

"پس اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ گے تو وہ ہرگز ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے۔" (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 18، آیت 57)

فرض کریں کہ میں اپنی باقی زندگی تقویٰ کی جھونپڑی میں کیوں گزاروں اور دنیا نے مجھے پیش کی جانے والی خوشیوں سے غیر ضروری طور پر اپنے آپ کو روکا رکھوں، جب کہ مجھے اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ آپ روح اور آخرت کی سچائی کے بارے میں مجھے کیا بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ وہ مجھے بہت دور کی بات نظر آتے ہیں؟ بہرحال میں ان معاملات سے واقف نہیں ہوں۔ ایسی صورت میں اس کا جواب یہ ہے کہ اب جب تم نے اتنا قبول کر لیا ہے تو تم شریعت الٰہی اور ہدایت کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ یہ منطق پر مبنی ہے کہ جب آپ کو کسی چیز کا علم نہیں ہے تو آپ کو کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔ فرض کریں کہ آپ پلیٹ سے کھانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور آپ کو بتایا جاتا ہے کہ سانپ نے ابھی اس میں اپنا منہ ڈال دیا ہے ، آپ فورا کھانے سے دستبردار ہوجائیں گے۔ یہ بیان غلط ہوسکتا ہے ، پھر بھی ، آپ میں دانشمندی آپ کو کبھی بھی کھانے میں حصہ لینے پر مجبور نہیں کرے گی ، چاہے وہ کتنا ہی مزیدار کیوں نہ ہو۔ اسی طرح، فرض کریں کہ آپ بیمار ہیں اور اپنی جان کے خوف میں ہیں اور شفا یابی کے سحر لکھنے والا شخص آپ سے تھوڑی سی چاندی دینے کو کہتا ہے، تاکہ کوئی آپ کے لیے تعویذ تیار کر سکے، آپ اس کے برعکس خدشات کے باوجود اس مطالبے کو تسلیم کریں گے۔ نیز ، اگر کوئی روشن خیال آپ کو بتاتا ہے کہ جب چاند فلاں مرحلے پر پہنچ جاتا ہے تو آپ کو اپنے علاج کے لئے کچھ تلخ دوا لینی چاہئے۔ اس کی فنتاسی کے باوجود ، آپ اپنی صحت کے لئے کسی کے مشورے پر عمل کریں گے ، اس بنیاد پر بھی کہ کوئی صحیح ہوسکتا ہے۔

تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء، درجنوں سنتوں، علماء اور اولیاء اللہ کے اولیاء (*اولیاء*) کیسے غلط اور سنی سنائی دے سکتے ہیں، جبکہ ایک نیم حکیم یا خوش بخت صحیح ہو سکتا ہے؟ اس سے انسان کو اپنی پوزیشن پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ کسی کو اس بنیاد پر ایسا کرنے کی ترغیب مل جائے کہ اگر یہ لوگ درست ہیں تو میں آخرت کا انکار کیوں کروں؟ ہو سکتا ہے کہ ان کی بات نہ سن کر اور آنکھیں بند کر کے دنیاوی لذتوں میں مشغول

ہو کر میں آخرت میں ناقابل تلافی طور پر متاثر ہو جاؤں۔ تو پھر میں اب کیوں نہ ہٹ جاؤں [اپنی ناقابل برداشت پوزیشن سے جو برقرار نہیں رہ سکتا]؟

فرضی طور پر ، اگر پوری دنیا رائی کارن سے بھری ہوئی ہے اور ایک چڑیا کو ہر ایک ہزار سال بعد ایک رائی مکئی لینے کا کام سونپا گیا ہے ، پھر بھی یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ رائی مکئی ابدیت کو پورا کرے گی۔ پس یہاں سے لے کر قیامت تک آخرت کے عذاب کا خطرہ کیوں لیا جائے؟ لوگ کشتیوں اور بحری جہازوں میں سفر کرتے ہیں اور اپنی روزی روٹی کے لیے اپنا سامان بیچنے میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ انسان ایسا کیوں نہیں کرتا؟ تقویٰ ، ہمت اور استقامت اس کو اچھے منافع کی ادائیگی کرتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم صحابی اور چچا زاد بھائی) نے ایک دینی بحث میں ایک ملحد سے کہا کہ اگر تم جو کہہ رہے ہو وہ درست ہے تو تم نجات پاتے ہو گے اور ہم نجات پاتے ہیں اور اگر ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے [اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ غلط ہے] تو صرف ہم ہی نجات پائیں گے اور تمہیں ابدی عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک سنت تھے۔ وہ اس دلیل کو اس سے زیادہ طاقتور انداز میں آگے نہیں بڑھا سکتا تھا۔ اس نے ایسا اس لیے نہیں کہا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر اسے کوئی شک تھا بلکہ اس نے ملحد کی ذہنیت کے پیش نظر اپنے بیان کی بنیاد کو اتنی زبردستی تشکیل دیا تھا۔

چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو شخص آخرت کی قیمت پر دنیاوی معاملات میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے (اس کے بعد"*خیرۃ*")، کسی کی آخرت خطرے میں ہے۔ یہاں پیش کردہ مضبوط دلائل اور فراہم کردہ مثالوں کی روشنی میں ، اختلاف کرنے والے کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ کوئی خطرہ مول نہ لے اور ٹیرا فرما (ٹھوس زمین) پر رہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

"اور سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلتا ہے۔"

ہم نے خدا کی معرفت، نفس، دنیا اور آخرت *کے بارے میں گفتگو کا خلاصہ کیا ہے*۔ انشاء اللہ اب ہم ابدی *خوشی اور ابدی کامیابی کے لیے* چالیس ضروری عناصر (اراکان، یا اقدامات) کی وضاحت کریں گے۔

اس طرح امام غزالی نے اپنی عظیم کتاب "کیمیا *سعادت" یا "کیمیا یا ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لیے تبدیلی کا ایجنٹ" کے چار القابات (یا تقاضوں) کی حیرت انگیز وضاحت* کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ابدی خوشی اور ابدی کامیابی کے چالیس اصولوں کا مندرجہ ذیل تعارف پیش کیا:

ہم پہلے ہی مندرجہ ذیل باتوں پر کچھ تفصیل سے بات کر چکے ہیں:

1. خدا کی *گنوسس ("معارفہ")*،
2. اپنے نفس کو جاننا،
3. دنیا کی حقیقت کو جاننا ("*دنیا*") ، اور
4. آخرت کی حقیقت کو جاننا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتوں کے حصول کا راز اس کی سچی اور سچائی سے عبادت کرنے اور اس کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان کو مندرجہ ذیل کام کرنے میں محتاط رہنا چاہئے:

أ. انسان کو نہ صرف خدا کا سب سے زیادہ عاجز اور فرمانبردار بندہ بننا چاہیے اور اس کی عبادت کرنی چاہیے بلکہ اس میں ایک اچھے انسان کا برتاؤ، شخصیت اور اچھا سلوک بھی ہونا چاہیے۔ کسی کا عمومی

طرز عمل اس طرح دوسروں کے لیے پرکشش ہو جائے گا [جو سب خدا کے ساتھی خادم ہیں، قطع نظر ان کی نسل، مذہب، رنگ، یا اس طرح کی کوئی اور چیز]۔

ب. یہ بات ہے کہ ایک شخص کیسا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ معاشرے میں بھی ایسا برتاؤ کرنا چاہیے کہ اس کا طرز عمل خدائی شریعت اور ہدایت کے دائرے میں رہے۔ اس کے بعد کسی کو اس طرح پہچانا جائے گا۔

ت. مذکورہ بالا کسی کے ظاہری طرز عمل کی تشکیل کرتا ہے جو دوسرے دیکھتے ہیں۔ اب ہم اس کی روح [یا اندرونی حقیقت] کی طرف آتے ہیں۔ چنانچہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو برائی اور اس کی تباہی سے بچائے [کہ یہ کسی کے باطن پر اس کے ظاہری وجود کے لئے منحوس اثرات مرتب کرتا ہے]۔

ث. انسان کو نہ صرف مذکورہ بالا "کیا کریں" کا خیال رکھنا چاہیے بلکہ اس کے "کرنے والے" کا بھی مکمل خیال رکھنا چاہیے، یعنی اپنے دل، اپنی روح کو برائی سے محفوظ رکھنے کے بعد، اس کے ساتھ ساتھ روح کو اچھی نیک اور اعلیٰ باطنی خصوصیات سے آراستہ اور آراستہ کرنا چاہیے۔

اس طرح ، روح میں برائی اور نقصان دہ چیزوں کی اجازت نہ دینے کے "نہ" پر عمل کرنے اور ان تمام چیزوں کو کرنے کے "کرنا" کا تعاقب کرکے جو اچھے اور پاک ہیں اور روح کی خوبصورت داخلی خصوصیات کو فروغ دے کر ، انسان اپنی روح کو ایسی غذا سے کھلا رہا ہوگا جو اس کی فلاح و بہبود کے لئے سازگار ہو۔ اس طرح انسان "*محلات*" یا باطنی برائی کے مہلک اثرات سے بچ جائے گا اور روح کی "*منجیات*" یا باطنی صفات سے تقویت پائے گا جو اسے پاک کرتی ہیں، خوبصورت بناتی ہیں اور زینت بخشتی ہیں، جن پر کسی کی روح فخر کرے گی۔ یہ چار ضروری عناصر [تبدیلی کے کیمیا یا تبدیلی کے ایجنٹ جو ابدی خوشی اور ابدی کامیابی لاتے ہیں] ہر ایک کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ درج ذیل ہیں...

اس مقام پر غزالی ابدی خوشی اور ابدی کامیابی کے چالیس اصولوں (یا اقدامات) کی وضاحت کا آغاز کرتی ہے۔ ان اصولوں کو لمبائی کی وجہ سے یہاں دوبارہ پیش نہیں کیا جا سکتا اور قارئین کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اس عظیم کتاب کا ترجمہ حاصل کریں، جو اس مقالے کے حوالہ سیکشن میں فراہم کیا گیا ہے۔

اندرونی روحانی تبدیلی - زندگی کے مقصد کو تلاش کرنے اور اس تک پہنچنے کی کلید

زندگی کا مقصد جس کا حصول براہ راست ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی سے جڑا ہوا ہے، غزالی نے ان کی آخری کتاب "*منہاج العابدین الا جنت* رب العالمین" یا "خدا کے عبادت کرنے والوں کے لیے بہترین راستہ" یا مختصر عنوان "عبادت گزاروں کے لیے بہترین راستہ" کی وضاحت کی ہے۔ اس مختصر کتاب میں روحانی روشنی اور خدا کی "معرفہ" تک پہنچنے کے لئے سات قدمی راستے کی وضاحت کی گئی ہے ، جسے اس نے زندگی کا اصل مقصد قرار دیا ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "نمازیوں کے لیے بہترین راستہ" کے تعارف میں درج ذیل مراحل بیان کیے ہیں اور دلیل دی ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے جو گنوسی یا "معارفہ" کی حالت میں خدا کو جاننے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ خدا کی معرفت ہونا ہی زندگی کا اصل مقصد ہے اور اس طرح انسان اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے اور حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے:

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو رحمان ہے جس نے اپنی قدرت سے زمین اور آسمان پیدا کیے اور اپنی حکمت سے کائنات کے معاملات کو درست کیا۔ اس نے اپنی مخلوقات میں سے جنوں اور انسان کو اپنی عبادت اور اطاعت کے لیے پیدا کیا، جیسا کہ اس نے قرآن میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

"میں *نے جنوں* اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 51، آیت 56)

اب جو شخص اس کی عبادت اور اطاعت کے راستے پر چلنا چاہتا ہے اس کے سامنے یہ راستہ بہت سیدھا اور روشن ہے۔ ہر قسم کے ثبوت اور رہنمائی واضح طور پر ان لوگوں کے لیے دستیاب ہیں جو سمجھدار بصیرت رکھتے ہیں۔ اور اللہ ہی اس بات پر قادر ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلتا ہے یا جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دے وہ خوب جانتا ہے جو سیدھے راستے پر چلتے ہیں اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے

اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار اور ان کی آل اور اولاد پر قیامت تک بے شمار برکتیں اور سلام و درود ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مسلمانوں کو ان اعمال کی طرف رہنمائی فرمائے جو اس کی رضا اور رضا کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ خدا تعالیٰ کی عقیدت اور اطاعت تمام علم اور علم کے حصول کا پھل اور مقصد ہے۔ زندگی کا عظیم فائدہ اور انسانی وجود کا بنیادی مقصد اس کی غلامی اور اطاعت کے اظہار میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غلامی کا یہ رویہ *اولیاء* کے لیے زندگی کے سفر کی فراہمی ، طاقتور کا راستہ، معززین (یعنی روحانی کامیابیوں) کا راستہ، عظیم الشان کے مقاصد، پرہیزگاروں کی علامت، صالحوں کا پیشہ، دانشمندوں کا پسندیدہ، خوش نصیب کے لیے خوش قسمتی کا راستہ اور جنت کے خواہشمند افراد کے لیے جنت کا راستہ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ

"میں تمہارا رب ہوں پس میری ہی عبادت کرو" (قرآن)

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا

"(ان لوگوں سے کہا جائے گا جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے) یہ ان کوششوں کا بدلہ ہے جو تم نے (دنیا کی زندگی میں) کیا تھا جسے (اللہ تعالیٰ) بہت شکر سے قبول کیا گیا ہے۔" (قرآن)

جب میں نے اس راستے پر غور کیا اور اس پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ بہت مشکل اور خطرناک راستہ ہے۔ یہ بہت وسیع اور مشکل وادیوں سے بھرا ہوا راستہ ہے اور رکاوٹوں اور آفات سے بند ہے۔ ہائی وے ڈاکو اور پوشیدہ دشمن (یعنی انسان اور شیطان کی نچلی نفس) گھات لگا کر پڑے ہوئے ہیں۔ صرف چند دوست اور مددگار ہیں۔ چونکہ یہ جنت ، باغ عدن کی طرف جانے والا راستہ ہے ، لہذا یہ واقعی مشکل اور خطرناک ہونا چاہئے۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ بیان کے مطابق ہے:

اَلَا وَاِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَاِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ

"جنت ناپسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور جہنم خواہشات اور خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے"۔

دوسرے لفظوں میں جو شخص جنت کا خواہاں ہے اسے اس زندگی میں بہت سے مکروہ اور ناخوشگوار حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور جو شخص جہنم کا خواہاں ہے وہ اپنی خواہشات اور خواہشات کی تسکین میں مگن رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَاِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ

"ہوشیار رہو! جنت ایک اونچی کھڑی زمین پر واقع ہے اور جہنم ایک ہموار نچلی زمین پر واقع ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت پر چڑھنا مشکل ہے اور جہنم میں اترنا آسان ہے۔ دوسرے لفظوں میں جنت کا راستہ بہت مشکل ہے اور جہنم کا راستہ بہت آسان ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت کمزور ہے اور دنیا کو ہر قسم کی مشکلات سے دوچار کیا جاتا ہے۔ دینی امور پر کل وقتی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان کے پاس دنیاوی امور میں مصروفیت کی وجہ سے اس سب کے لیے ناکافی فارغ وقت ہوتا ہے۔ زندگی مختصر ہے اور وقت کی آفتیں بہت شدید ہیں اور موت قریب ہے۔ اس راستے پر چلنے والے انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سفر کا انتظام ناگزیر ہے جو عبادت اور اطاعت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر کسی نے دنیا میں اپنے آپ کو یہ رزق فراہم نہیں کیا ہے تو وہ مرنے کے بعد اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ جس نے اپنے آپ کو اس سے آراستہ کیا ہے وہ کامیابی کے مقصد تک پہنچے گا اور دونوں جہانوں میں خوشحال ہوگا۔ جس نے اس رزق سے محروم رکھا تو وہ بہت خسارہ میں ہے اور وہ ہلاک ہونے والا ہے لہذا، یہ واقعی ایک بہت ہی مشکل اور خطرناک راستہ ہے۔

اس راستے پر چلنے کے خواہشمند بہت کم ہیں۔ ان میں اب بھی بہت کم لوگ ہیں جو پختہ عزم کے ساتھ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مقصد تک پہنچنے کے قابل ہیں وہ بہت کم ہیں۔ لیکن جو لوگ مطلوبہ مقصد تک پہنچتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی واقفیت اور قربت کے لیے منتخب کیا ہے۔ وہی ہے جس نے ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی اور انہیں اپنی رحمت سے جنت میں داخل کیا اور ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوئے۔

جب مجھے جنت کا راستہ اتنا مشکل اور خطرات سے بھرا ہوا پایا تو میں نے سامان بنانے کا خیال رکھا اور ضروری سامان اور ضروریات کا پتہ لگانے میں کامیاب رہا۔ مجھے بہت امید ہے کہ ان رزق اور رسد سے جنت کا سفر کامیابی اور سکون کے ساتھ مکمل ہوگا۔ ان دفعات اور رسد میں عبادت کرنے کی صلاحیت، اس صلاحیت کو عملی جامہ پہنانے اور ضروری علم حاصل کرنے کی صلاحیت شامل ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے جنت کے سفر کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے موضوع پر بہت سی کتابیں مرتب کی ہیں، جیسے *"احیاء العلوم الدین"* یا "علم التاحیات الٰہی"، *"کتاب القربتی اللہ"* یا "خدا سے قربت کی کتاب" وغیرہ۔

ان تمام کتابوں میں عمدہ (یعنی لطیف) علمی مسائل اور فلسفیانہ نکات موجود ہیں جن کو عام لوگ سمجھ نہیں سکے۔ چنانچہ انہوں نے ان کتابوں پر طعنے دیے اور منفی تبصرے کرنا شروع کردیا۔ تاہم ، ان کے اس رویے کے بارے میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ قرآن کریم سے بہتر کوئی تخلیق نہیں ہو سکتی جو رب العالمین کی تصنیف ہے لیکن نادان لوگوں نے اس کتاب الٰہی کو بھی اپنے منفی بیانات سے نہیں بخشا اور کہا:

إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ

"یہ پرانے زمانے کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 6، آیت 25)

چنانچہ جب انہوں نے کتاب الٰہی کے ساتھ اس طرح سلوک کیا تو وہ اپنے طعنوں سے کیسے بچ سکتے تھے، جو انسانی تصنیف کی کتاب ہے۔ لیکن پڑھے لکھے اور دانشمند افراد کے لیے مناسب ہے کہ وہ خدا کی مخلوق سے جھگڑا نہ کریں بلکہ ان کے ساتھ شفقت کا سلوک کریں (ان کے غلط رویے سے قطع نظر)۔ اس لیے میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ سے ایک ایسی کتاب مرتب کرنے میں میری مدد کرے جس پر سب متفق ہوں اور جو [تمام] لوگوں کے لیے فائدہ مند ہو۔

دنیا کے پالنے والے، جو بے سہارا کی دعاؤں کا جواب دیتا ہے، نے مجھے دین (خدا کی راستہ) کے خفیہ نکات اور علامات (یعنی خدا کی طرف) کی علامات اور اس کتاب کی تالیف کے لیے ایک بالکل منفرد سیٹ اپ (تنظیم) سکھا کر میری دعا قبول کر لی جو میں اللہ کی مدد سے بیان کرنے جا رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص پہلی بار

عبادت کی راہ پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اللہ کی طرف سے ہدایت اور مدد ملتی ہے۔ قرآن کریم میں اس مدد اور ہدایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ ۚ

"جس کا دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کشادہ کر دیا وہ اپنے رب کی طرف سے نور میں ہے۔" (سورة البقرة 39، آیت 22)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث *بھی ہے* جس کا مطلب یہ ہے کہ جب نور الٰہی انسان کے دل میں داخل ہوتا ہے تو اس میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس روشنی کا کوئی نشان ہے جس سے اسے پہچانا جا سکے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دھوکہ دہی اور فریب کے گھر (دنیا) سے دوری کا احساس ہے، آخرت کے گھر کی طرف رجوع کرنے اور موت کی آمد سے پہلے اس کی تیاری کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر کسی کے اندر یہ صفات اور رجحانات موجود ہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے دل میں نور داخل ہو گیا ہے۔

جب انسان کے دل میں عبادت کی راہ پر چلنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو وہ سوچنے لگتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا ہے، زندگی کے حوالے سے، طاقت، حکمت، قوت کلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی بہت سی نعمتوں اور تسلی کے ذرائع ہیں۔ ان سے وہ اپنے آپ کو مصیبتوں، نقصانات، مصیبتوں اور آفتوں سے بچاتا ہے۔ چنانچہ وہ یہ یقین کرنے لگتا ہے کہ کوئی ہستی ضرور ہے جس نے اسے یہ تمام نعمتیں اور نعمتیں عطا کی ہیں اور اگر وہ اس ہستی کا شکر گزار اور فرمانبردار نہ ہو تو وہ اس پر عذاب نازل کرے گا اور اس کی نعمتیں چھین لے گا۔

وہ یہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ سچے مرحیم نے انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں علم فراہم کریں۔ ان انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے مافوق الفطرت معجزات پیش کیے جو انسانی طاقت و استطاعت سے بالاتر تھے۔ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھایا کہ ان کا صرف ایک ہی رب ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا، ابدی اور ابدی ہے۔ اس نے تم سے کہا ہے کہ نیک اعمال کرو اور گناہوں اور برائیوں سے باز رہو۔ وہ نافرمانوں کو سزا دینے اور فرمانبرداروں کو اجر دینے پر قادر ہے۔ وہ دلوں کے رازوں اور ان میں سے گزرنے والے تصورات کو جانتا ہے۔ اس نے نجات اور اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو اس کے عذاب اور عذاب سے بھی خبردار کیا ہے۔ اس نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ شریعت الٰہی کے احکامات پر عمل پیرا رہیں۔

یہ تمام ہدایات اور تعلیمات خدا کے بندوں کے دلوں میں یہ پختہ یقین پیدا کرتی ہیں کہ یہ تمام دعوے عقلی نقطہ نظر سے بالکل ممکن ہیں اور کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ یہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور اس کے سامنے احتساب کے بارے میں فکر پیدا کرتا ہے۔ یہ خوف اور اضطراب انہیں لاپرواہی اور غفلت کے لئے بیدار کرتا ہے، آخری دلیل کو مکمل کرتا ہے اور ان کی التجا اور بہانے کو دور کرتا ہے اور انہیں خدا کی نشانیوں پر غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں، ایک صحت مند ذہن رکھنے والا شخص اپنی نجات اور حفاظت کی جگہ کے لیے راستے اور ذرائع تلاش کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اسے کائنات اور اس میں موجود چیزوں پر اپنے احساس اور حکمت کے ساتھ غور و فکر کرکے خالق کائنات کے بارے میں علم حاصل کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسے اس کی تخلیق پر غور و فکر کر کے خالق کائنات کو جاننے کی ہدایت کی جاتی ہے، تاکہ وہ غیب پر یقین کر سکے اور جان سکے کہ اس کا صرف ایک ہی مالک اور خالق ہے جس نے اس پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ شریعت الٰہی کے احکامات کی اطاعت کرے، صحیح کے لیے کوشش کرے اور غلط سے پرہیز کرے۔ چنانچہ عبادت کی راہ میں سب سے پہلی وادی یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق پر غور کیا جائے تاکہ اس کے خالق کا علم حاصل کیا جا سکے۔ اس کو "علم و معرفت کی وادی" کہا جاتا ہے۔

ان احکام اور ذمہ داریوں کو جاننے کے بعد وہ اطاعت اور خدمت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس دوران ، وہ اپنی زندگی میں کیے گئے بے شمار گناہوں اور زیادتیوں کو یاد کرتا ہے اور اس سے تاکید کی جاتی ہے کہ وہ پہلے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور خدا سے تعلق قائم کرنے سے پہلے پاک ہو۔ اس مرحلے پر اس کا سامنا ایک اور وادی ہے جسے "توبہ کی وادی" کہا جاتا ہے۔ اس لیے وہ اس "توبہ کی وادی" کو عبور کرنے کے بعد خود کو عبادت اور عقیدت میں مشغول کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک اور وادی کا سامنا کرے گا جسے "رکاوٹوں کی وادی" کہا جاتا ہے۔ یہ منفی قوتوں کی وادی ہے جو اسے اطاعت اور عقیدت سے روکتی ہے۔ اب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادت اور عبادتوں کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کر سکتا کیونکہ وہ چار رکاوٹیں ہیں:

(1) دنیا؛
(2) تخلیقات؛
(۳) [نیچے] نفس (*"نفس"*)؛ اور
(۴) شیطان۔

اللہ تعالیٰ کے بندے کو اس کی راہ میں ان رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ کبھی کبھی دنیاوی دلکشی ، تخلیقات ، نفس یا شیطان کے بہکاوں کی وجہ سے عبادت سے لاتعلق ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا کو ترک کر کے ان رکاوٹوں سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، مخلوقات سے الگ تھلگ ہو کر اور نفس اور شیطان کا طاقت اور پختہ عزم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

انسان کا نفس ان تمام رکاوٹوں میں سب سے مضبوط ہے۔ دوسری رکاوٹوں سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان ہے لیکن یہ نفس سب سے زیادہ مضبوط ہے، کیونکہ یہ انسانی زندگی کا ہتھیار ہے اور یہ ہمیشہ انسان کے ساتھ مرنے تک رہتا ہے۔ اس کا خاتمہ کرنا بھی بہت مشکل بلکہ ناممکن بھی ہے۔ بہرحال اسے *تقویٰ* کی لگام سے قابو میں رکھا جا سکتا ہے تاکہ اسے اطاعت کے تابع کیا جا سکے اور بغاوت سے روکا جا سکے۔ چنانچہ یہ ایک مستقل وادی بھی ہے اور اسے عبور کرنے کے لیے خدا کی مدد درکار ہے۔

خدا کی مدد سے اس وادی کو عبور کرنے کے بعد انسان کو کچھ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے پوری توجہ اور اطاعت کے ساتھ عبادت کے لیے وقف نہیں ہونے دیں گے۔ ان کی تعداد چار ہے:

1 . رزق: انسان کی نفس (*نفس*) اسے غربت سے ڈرا کر عبادت سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ عقیدت میں مشغول ہو کر اور دنیا سے خود کو الگ کر کے (یعنی دنیا سے دل کی وابستگی) وہ اپنی روزی روٹی اتنی نہیں کما سکتا کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کی کفالت کر سکے۔

2 . خوف اور شکوک و شبہات: انسان کسی منصوبے اور کام کی موزونیت یا عدم موزونیت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا رہتا ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ناکامیوں سے خوفزدہ ہے۔

3 . آفتیں اور مصیبتیں: انسان سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ پر چل کر اسے لوگوں کی مخالفت اور ناراضگی کے ساتھ ساتھ مصیبتوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسے مختلف مصیبتیں اور مشکلات برداشت کرنی پڑیں گی۔

4 . الٰہی فرمان: یہ الٰہی فرمان یا تقدیر کبھی انسان کے حق میں اور کبھی انسان کے خلاف ہوتی ہے اور اکثر تلخی سے بھری ہوتی ہے۔

بعض اوقات انسان کو ان رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے "رکاوٹوں کی وادی" کہا جاتا ہے۔ ان کو کامیابی سے عبور کرنے کے لیے اسے چار چیزوں کی ضرورت ہے:

1 . رزق کے معاملے میں خدا پر پورا بھروسہ کرنا۔

2 . خوف اور شکوک و شبہات کے معاملے میں سب کچھ خدا کے سپرد کرنا۔

3 . کسی پر آنے والی مصیبتوں اور مصائب کو صبر سے برداشت کرنا۔

4 . حکم الٰہی کے معاملے میں خدا کی مرضی کے سامنے غیر فعال طور پر سر تسلیم خم کرنا۔

جب کسی شخص نے یہ تمام صفات اپنے اندر پیدا کر لی ہیں اور خدا کی مدد سے اس وادی کو عبور کر لیا ہے تو وہ کسی اور وادی کا سامنا کرے گا۔ وہ محسوس کرے گا کہ اس کا نفس عبادت میں مشغول نہیں ہے اور اس معاملے میں غیر معمولی غفلت کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ راستبازی سے نفرت کر چکا ہے اور گناہوں اور برائیوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اب ایسی صورت حال میں نفس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت ہے کہ وہ عبادت اور اطاعت کی طرف رجوع کرے اور گناہوں اور برائیوں سے دور رہے اور اس میں خدا کا خوف پیدا کرے۔ یہ محرک دو اعمال میں مضمر ہے:

1. [خدا میں] امید ، اور
(۲) خدا سے ڈرنا۔

دوسرے لفظوں میں انسان کو اس اجر اور اجر کی امید کرنی چاہیے جس کا وعدہ اللہ نے تقویٰ، نیکی اور نیک اعمال کے بدلے کے طور پر کیا ہے۔ امید کا یہ عمل نفس کو عبادت، اطاعت اور نیک اعمال کی طرف راغب کرے گا۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ آخرت میں کس دردناک عذاب اور ان اذیتوں اور مصائب کے بارے میں سوچے۔ جب دل میں یہ خوف پیدا ہو جائے گا تو انسان نافرمانی اور گناہوں کو ترک کر دے گا۔ اس وادی کو "وادی ارج اور امپیٹس" کہا جاتا ہے۔ جب یہ وادی راستے میں کھڑی ہو جائے تو انسان کو مندرجہ بالا سمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے عبور کرنا چاہیے۔

ان تمام وادیوں کو عبور کرنے کے بعد اسے پوری توجہ اور اطاعت کے ساتھ عبادت اور نیک اعمال کے لیے وقف کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس مرحلے پر وہ ایسی صفات کی موجودگی کو محسوس کرے گا جو اسے پوری توجہ کے ساتھ عبادت اور اطاعت میں مشغول ہونے پر آمادہ کرے گی۔

عبادت میں مشغول ہونے کے بعد انسان محسوس کرے گا کہ دو بڑی آفتیں اب بھی اس کی عبادت کو خراب کر رہی ہیں۔ ان مصیبتوں میں سے ایک دکھاوا یا دکھاوا ہے اور دوسرا تکبر ہے۔ اپنی عبادت کا مظاہرہ کرنے کی محبت اس کی عبادت کے مقصد کو ختم کر دیتی ہے اور اسے مکمل طور پر تباہ کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی اس کے نیک اعمال کی وجہ سے اس کے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے اور وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ بہت ہی دیندار اور نیک انسان بن گیا ہے اور پھر وہ خود فریبی کا شکار ہو جاتا ہے پھر نیکی کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اب ایک اور وادی ان کی راہ میں کھڑی ہے جسے "عبادت کو برباد کرنے والے عوامل کی وادی" (*یا عقبہ القوادہ*) کہا جاتا ہے۔ اس وادی کو بحفاظت عبور کرنے کے لیے اسے دو اور صفات کی ضرورت ہے: (1) اخلاص اور (2) خدا کے فضل و رحمت۔ ان صفات کی مدد سے وہ اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے اخلاص اور وفاداری سے آراستہ کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس کی تمام صفات اور نیک صفات صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا سبب ہیں۔ [ایک شاعر نے فارسی میں کہا:]

"اس کی خوش قسمتی اس کی اپنی طاقت اور کاوشوں کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ رحمان اللہ کی مدد اور فضل کی وجہ سے ہے"۔

اس احساس کی عدم موجودگی میں اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ نیک اعمال برباد ہو جائیں اور یہ الفاظ اللہ نہ کرے ان پر لاگو ہو جائیں: "*خسر دنیا و الاخیرہ*" (اس نے دنیا اور آخرت کو بھی کھو دیا)۔ اسے خدا کی مدد سے اس وادی کو عبور کرنا چاہیے۔ ان تمام وادیوں کو عبور کرنے کے بعد انسان عبادت اور تمام آفات سے نجات کا ہدف حاصل کرتا ہے۔

اب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رحمت میں ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی وجہ سے ہے کہ وہ عبادتوں کی فضیلت، نیک اعمال اور گناہوں اور برائیوں سے مکمل آزادی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اگر وہ اس مہربان آقا ، خدا سے غافل ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب ایک سنگین نقصان ہوگا۔ اس صورت میں وہ *ولی* اور خدا کے پسندیدہ بندے کی حیثیت سے اپنی حیثیت کھو دے گا۔ وہ اپنی نعمتوں اور نیک اعمال سے محروم رہ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ ہم اسے "حمد و ثناء کی وادی" کہتے ہیں۔

جب انسان خدا کی مدد سے اس وادی کو عبور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے والا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے والا ہے۔ اس راستے پر مزید آگے بڑھنے کے بعد، وہ خدا کی رحمت اور فضل کی سرزمین اور خدا کی محبت اور رسائی کے میدان میں پہنچے گا۔ اسے اللہ کی رضا کی جگہ اور فرشتوں کے گھر میں داخل کیا جائے گا اسے خدا سے قربت کا خصوصی درجہ دیا جائے گا اور ان لوگوں کی عظیم الشان مجلس میں داخلہ دیا جائے گا جو ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ وہ خالق کے تحائف اور نعمتوں کا حقدار بن جائے گا۔ وہ روحانی فرشتوں کی صحبت میں اس قدر مگن ہو جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ خدا کی یاد کے باغ میں گزارے گا۔ جسمانی طور پر وہ دنیا میں ہوگا لیکن روحانی اور عملی طور پر اس کا دل آخرت کے معاملات سے وابستہ رہے گا۔ دنیا کے معاملات سے اس کی محبت اور دلچسپی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جائے گی۔ ہر لمحہ وہ خدا سے ملنے کی خواہش کے ساتھ موت کی پکار کا انتظار کرے گا۔ بالآخر اس کے پاس خوشخبری آئے گی وہ اس عارضی دنیا سے آخرت کی ابدی دنیا میں منتقل ہو جائے گا، جہاں اسے بڑی عزت، آرامی، آرامش، عیش و عشرت اور محبت کے ساتھ جنت میں لے جایا جائے گا۔ خدائی استقبال اور تفریح اتنی بھرپور اور شاندار ہوگی کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ منفرد حیثیت اور یہ نعمتیں دن بدن بڑھتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ فرشتے بھی اس کی کامیابی اور [خدا کے سامنے] اعلیٰ عہدوں پر اس پر رشک کریں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہم سب کو اپنی رحمت سے ایسے بندوں میں شامل کرے اور ہمیں اپنے عظیم نعمتوں اور نعمتوں سے نوازے اور ہمیں اس کے مسترد اور مجرم بندوں سے خارج کر دے۔ وہ ہم سب کو اپنے علم کو عملی جامہ پہنانے میں مدد کرے ، اپنی مرضی اور خوشی کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنے میں مدد کرے ، اور ہمارے علم کو ہم پر لعنت نہ بننے دے۔ یہ سب اس پر آسان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے

اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں

مندرجہ ذیل ترتیب اور سیٹ اپ ہے جس کا میں نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ اس ترتیب اور ترتیب کا خلاصہ یہ ہے کہ سات وادیاں عبادت اور عقیدت کی راہ میں کھڑی ہیں [اور ان وادیوں کو عبور کرنے سے خدا کی معرفت کی طرف جاتا ہے جو انسان کی زندگی کا مقصد ہے، جس کے نتیجے میں، ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کی طرف لے جاتی ہے]:

1. علم کی وادی اور خدا کو جاننا،
2. توبہ کی وادی،
(۳) رکاوٹوں کی وادی
4. رکاوٹوں کی وادی،
5. خواہش اور محرک کی وادی،
6. عبادت کو برباد کرنے والے عوامل کی وادی ، اور
7. حمد و ثناء کی وادی (خدا کے لئے)

ان تمام وادیوں کی بحث سے میری کتاب "*منہاج العابدین*" (یا عبادت گزاروں کے لیے بہترین راستہ) مکمل ہو جائے گی۔ میں اس سے متعلقہ معانی اور اہم نکات کو مختصرا بیان کروں گا اور اس کی کچھ تفصیل الگ الگ ابواب میں بھی پیش کروں گا، اس کے لیے میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی طاقت اور طاقت نہیں ہے۔

زندگی کے مقصد کی مزید وضاحت

امام غزالی نے اپنی مشہور کتاب "*جواہر القرآن*" یا "جواہرات قرآن" کے آغاز میں انسانی زندگی کے مقاصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے چھ مقاصد ہیں جن میں کل دس مقاصد ہیں جبکہ اس میں کچھ ذیلی مقاصد شامل ہیں۔ قرآن مجید کا پہلا اور سب سے اہم مقصد جو دوسرے تمام مقاصد سے بالاتر ہے اور ان کا اصل مقصد پورا ہوتا ہے، وہ خدا کو جاننا ہے، یعنی معرفہ کی حالت کو حاصل کرنا۔ قرآن مجید کے دیگر تمام مقاصد اسی بنیادی مقصد کے تابع ہیں اور اسی بنیادی مقصد کے حصول کی خدمت میں ہیں۔ امام غزالی اس شاندار کتاب "*جواہر القرآن*" یا "جواہرات قرآن" کے آغاز میں یہ فرماتے ہیں:

قرآن ایک سمندر کی مانند ہے جس میں مختلف قسم کے جواہرات اور قیمتی اشیاء کا احاطہ کیا گیا ہے

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ

"کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دل اندر سے بند ہیں؟" (سورۃ البقرۃ باب 47 آیت 24)

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان مہربان ہے

اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بعد میں اس کی حمد و ثنا سے اس کی تسبیح کرتا ہوں جو ہر کتاب کا آغاز ہونا چاہیے۔ اللہ کی رحمتیں اس کے رسولوں پر ہوں۔ — ایک ایسی دعا جو ہر گفتگو کی تکمیل کی شکل دے۔

پھر میں تمہیں تمہاری نیند سے جگانا چاہتا ہوں۔ 0 تم جو قرآن کو بہت لمبا پڑھتے ہو، اس کے مطالعہ کو ایک پیشہ سمجھتے ہو، اور اس کے کچھ ظاہری معانی اور جملوں کو جذب کرتے ہو۔ تم کب تک سمندر کے کنارے پر گھومتے رہو گے اور قرآن کے معانی کے عجائبات پر آنکھیں بند کرو گے؟ کیا یہ تمہارا فرض نہیں تھا کہ ان معانی کے بے پناہ سمندر کے بیچ سفر کریں تاکہ ان کے عجائبات کو دیکھ سکیں، ان کی بہترین پیداوار جمع کرنے کے لیے ان کے جزیروں کا سفر کریں، اور ان کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں تاکہ آپ ان کے زیورات حاصل کر کے امیر بن سکیں؟ کیا آپ کو ان کے موتیوں اور جواہرات سے محروم ہونے پر شرم نہیں آتی کہ آپ ان کے ساحلوں اور ظاہری شکل کو دیکھنے میں اصرار کرتے ہیں؟

کیا آپ کو معلوم نہیں ہوا کہ قرآن ایک سمندر کی مانند ہے اور یہ کہ قدیم اور جدید علوم قرآن سے ہی شاخیں نکلتی ہیں، جس طرح دریا اور نہریں سمندر کے کناروں سے شاخیں نکلتی ہیں؟ آپ ان لوگوں کی تقلید کیوں نہیں کرتے جنہوں نے اپنی لہروں میں سے گزرتے ہوئے اور اس طرح سرخ گندھک حاصل کی، ان کی گہرائیوں میں غوطہ لگایا اور اس طرح سرخ کورنڈم، چمکتے ہوئے موتی اور سبز کرسولائٹ نکالے اور ان کے ساحلوں پر سفر کیا اور اس طرح سرمئی امبرگریس اور تازہ کھلتے ہوئے ایلو کی لکڑی جمع کی، اور ان کے جزیروں سے منسلک ہو گئے اور اس طرح ان کے جانوروں سے سب سے بڑا تریاق اور مضبوط ترین کستوری حاصل کی؟ غور کیجئے کہ اسلامی اخوت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی دعا کی برکت کی امید کرتے ہوئے اب میں آپ کو ان لوگوں کے سفر کے طریقے، ان کے غوطہ خوری اور ان کے تیرنے کے طریقے کی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید اور اس کی قیمتی اشیاء کے مقاصد چھ قسمیں ہیں

قرآن مجید کا راز، اس کا پاکیزہ ترین حصہ اور اس کا حتمی مقصد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے جو غالب ہے، دنیا و آخرت کا رب ہے، اوپر آسمانوں اور نیچے زمین کی تہوں کا خالق ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ نم زمین کے نیچے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی آیات چھ اقسام تک محدود ہیں جن میں سے تین نظیر اور اہم اصول ہیں اور باقی تین ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کو مالا مال کرتے ہیں اور ان کی تکمیل کرتے ہیں۔

جہاں تک تین اہم تقسیموں کا تعلق ہے، ان کا تعلق خدا کی تعریف سے ہے جس کی طرف انسان بلائے گئے ہیں [خدا کو جاننے اور معرفت یا معرفت حاصل کرنے کے لیے]، اس سیدھی راہ کی تعریف جس میں اس کی طرف بڑھنے کے لیے استقامت کی ضرورت ہوتی ہے [یعنی وہ روحانی راستہ جو خدا کی طرف لے جاتا ہے]، اور اس کے حصول کے وقت اس کی حالت کی تعریف۔

جہاں تک ان تین تقسیموں کا تعلق ہے جو ان کو مالا مال کرتے ہیں اور ان کی تکمیل کرتے ہیں، ایک خدا کی دعوت کا جواب دینے والوں کے حالات اور ان کے ساتھ اس کے نازک سلوک کو بیان کرتا ہے، اس کا راز اور مقصد [دوسروں میں] [ان شرائط کے حصول کے لیے] خواہش پیدا کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے حالات کو بھی بیان کیا گیا ہے جو پکار کا جواب دینے سے کتراتے ہیں اور خدا کی طرف سے ان کی سزا کے طریقہ کار کو بھی بیان کرتا ہے ، اس کا راز اور مقصد غور و فکر اور خوف کو بھڑکانے کے لئے ہے۔ دوسری تقسیم میں اللہ کے کفر کرنے والوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور حق کے خلاف جھگڑنے اور بحث کرنے میں ان کی ذلت اور جہالت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس سب کا راز اور مقصد یہ ہے کہ جھوٹ کی طرف سے ظاہر کیا جائے اور نفرت پیدا کی جائے اور سچائی کی طرف واضح اندیشہ، تصدیق اور پابندی پیدا کی جائے۔ تیسری تقسیم خدا کی طرف جانے کے راستے کے مراحل اور اس کے لیے رزق لینے اور تیاری کے طریقے کی وضاحت کرتی ہے۔

قرآن مجید کے چھ مقاصد کی وضاحت

قرآنی آیات کی پہلی تقسیم اس کی تعریف سے متعلق ہے جس کی طرف انسان بلائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وضاحت ہے اور یہ سرخ گندھک ہے۔ اس علم میں حق کی ذات کا علم، اس کی صفات کا علم اور اس کے اعمال کا علم شامل ہے، اور ان تینوں کو کورنڈم کہا جانا چاہیے، کیونکہ یہ سرخ گندھک سے حاصل ہونے والے فوائد میں سب سے خاص ہیں۔

جس طرح کورنڈم کے درجات ہوتے ہیں - ان میں سرخ ، نیلے بھوری اور پیلے رنگ کے ہیں۔ ان میں سے کچھ دوسروں سے زیادہ قیمتی ہیں - اسی طرح علم کی یہ تینوں شکلیں ایک ہی درجے کی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس، ان میں سے سب سے قیمتی خدا کے جوہر کا علم ("*ذات*") ہے، اور اس لیے اسے سرخ کورنڈم کہا جانا چاہیے۔ اس کے بعد خدا کی صفات کا علم ("*صفات*") ہے، اور یہ نیلے رنگ کا سرمئی کورنڈم ہے۔ اس کے ساتھ متصل خدا کے کاموں کا علم ہے ("*افعل*") ، اور یہ پیلے رنگ کا کورنڈم ہے۔

چونکہ ان کورنڈم میں سے سب سے قیمتی سب سے بڑا اور سب سے نایاب ہے ، اور اس کی نایاب ہونے کی وجہ سے بادشاہ صرف اس میں سے تھوڑا سا قبضہ حاصل کرسکتے ہیں ، جبکہ وہ بعض اوقات اس سے کمتر چیز حاصل کرسکتے ہیں ، اسی طرح الٰہی جوہر کا علم بھی دائرہ کار میں سب سے تنگ ہے ، حاصل کرنا سب سے مشکل ہے۔ سوچنے کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن ، اور بحث حاصل کرنے سے دور۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس علم کے صرف اشارے اور اشارے موجود ہیں اور اس کے حوالہ سے مطلق تقدیس کا ذکر ملتا ہے مثلا اللہ تعالیٰ کے کلام، "اس کی مانند کچھ بھی نہیں" (قرآن)، اور *اخلاص کی* سورت (*اخلاص*) اور اس کے کلام جیسے مطلق عظمت کا تذکرہ۔ "وہ پاک ہے! وہ ان باتوں سے بلند ہے جو وہ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (قرآن)

جہاں تک صفات الٰہی کا تعلق ہے تو ان کا دائرہ وسیع ہے اور ان کے بارے میں کلام کا دائرہ وسیع تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم الٰہی، طاقت، زندگی، تقریر، حکمت، سننے، دیکھنے وغیرہ کی آیات بے شمار ہیں۔ جہاں تک الہامی کاموں کا تعلق ہے تو ان کا موازنہ ایک ایسے سمندر سے کیا جا سکتا ہے جس کے کنارے بہت وسیع ہیں اور جس کی حدود کا تفتیش سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وجود میں اللہ اور اس کے اعمال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس

کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے اعمال ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں ظاہری دنیا میں موجود ان میں سے واضح چیزیں شامل ہیں جیسے آسمانوں، ستاروں، زمین، پہاڑوں، درختوں، جانوروں، سمندروں اور پودوں، میٹھے پانی کا اتراؤ اور نباتات کی پرورش کے دیگر تمام ذرائع اور زندگی کی دیگر شکلیں۔ یہ وہ الہامی کام ہیں جو حواس کے لیے واضح ہیں۔ اس کی عظیم ترین تصانیف اور ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور وہ جو اپنے خالق کے جلال کی طرف سب سے زیادہ واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں وہ وہ ہیں جو حواس کے لئے واضح نہیں ہیں بلکہ غیب دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ فرشتے ہیں، غیر جسمانی مخلوقات، روح اور روح ہیں، یعنی انسان کا وہ حصہ جو خدا کو جانتا ہے۔ یہ آخری دو بھی غیب اور پوشیدہ دنیا کے مجموعے میں شامل ہیں اور قبضہ اور احساس ادراک کی دنیا سے باہر ہیں۔

جن الہامی کاموں کو عقل و حواس کے لیے ظاہر نہیں کیا گیا ان میں زمینی فرشتے ہیں جن کو انسانوں کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور یہ وہ فرشتے ہیں جنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ اور ان میں سے شیطان بھی ہیں جنہیں لوگوں پر غلبہ دیا گیا ہے اور وہ لوگ ہیں جنہوں نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا ان میں آسمانی فرشتے بھی شامل ہیں جن میں سب سے اوپر فرشتے ہیں جو جنت میں ویران ہیں اور انسانوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ بلکہ وہ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ وہ اس کی عظمت اور اس کی شان و شوکت میں مشغول ہیں۔ وہ اپنی نگاہیں اس کی طرف مٹکتے ہیں اور دن رات اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں اس بات کو ناممکن نہ سمجھو کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی ایسا شخص ہو جسے اللہ کی عظمت آدم اور اس کی اولاد کی طرف توجہ دینے سے روکتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اس حد تک بڑھا نہیں سکتا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی ایک سفید زمین ہے جہاں سورج کا سفر تیس دن کا ہے جیسا کہ دنیا کے دنوں کی طرح ہے۔ یہ دنیا تیس گنا زیادہ ایسی مخلوقات سے بھرا ہوا ہے جو یہ نہیں جانتے کہ زمین میں خدا کی نافرمانی کی گئی ہے اور نہ وہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور *ابلیس* کو پیدا کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ خدا کی بادشاہت یقینا وسیع ہے! جان لو کہ لوگوں کی اکثریت خدا کے بیشتر کاموں سے واقف نہیں ہے، خاص طور پر ان میں سے اعلیٰ ترین کام۔ بلکہ ان کی تفہیم احساس اور تخیل کی دنیاؤں تک محدود ہے ، جو پوشیدہ دنیا کے نتائج میں سے آخری تشکیل دیتے ہیں اور خالص ترین پیتھ سے سب سے زیادہ دور چھلکے کی طرح ہیں۔ جو شخص اس مرحلے سے آگے نہیں گیا ہے اس نے انار کے چھلکے کے سوا اور انسان کے عجائبات کو اس کی ظاہری شکل کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے۔ یہ قرآنی *سورتوں* اور آیات کی پہلی تقسیم کا مجموعہ ہیں اور ان میں مختلف اقسام کے کورنڈم موجود ہیں۔ ہم جلد ہی آپ کو ان کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں پڑھ کر سنائیں گے، کیونکہ وہ قرآن کا جوہر ہیں، اس کا دل، اس کا پن اور اس کا راز ہیں۔

<u>دوسری تقسیم</u> خدا کی طرف بڑھنے کی راہ کی تعریف سے متعلق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں خود کو وقف کرنے سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اپنے آپ کو اس کے لیے بہت عقیدت سے وقف کرو" (سورة البقرة باب 73، آیت 8)۔ اس کی عبادت اس کی طرف بڑھنے اور اس کے سوا دوسری چیزوں سے منہ موڑنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا اظہار اس کے الفاظ میں کیا گیا ہے، "اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اسے کارساز بنا لو" (سورة البقرة سورة البقرة آیت 9) اس کی طرف ترقی صرف اس کی یاد میں ثابت قدمی سے حاصل کی جا سکتی ہے، اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے منہ موڑنے سے، جو مخالف جذبات سے متاثر ہوتی ہیں، دنیا کی مصیبتوں سے پاک ہو کر اور ان سے روح کو پاک کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس تطہیر کا نتیجہ آخرت میں خوشحالی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ خوشحالی پائے جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور اسی طرح نماز پڑھی۔ چنانچہ خدا کی طرف جانے والی راہ کی تائید دو معاملات سے ہوتی ہے، یعنی استقامت اور مخالفت، اللہ تعالیٰ کی یاد میں استقامت اور اس سے ہٹنے والی چیز کی مخالفت کرنا۔ یہ اللہ کی طرف سفر ہے۔ خدا کی طرف اس سفر میں نہ تو مسافر کی طرف سے حرکت ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے جس کے پاس وہ سفر کرتا ہے، کیونکہ دونوں ایک ساتھ ہیں۔ کیا تم نے اللہ کی بات نہیں سنی اور وہ سب سے زیادہ سچا بولنے والا ہے۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

"ہم اس کی رگ رگ سے زیادہ قریب ہیں" (سورة البقرة باب 50، آیت 16)

حقیقت یہ ہے کہ طالب اور طالب کا موازنہ آئینے میں موجود تصویر سے کیا جا سکتا ہے: تصویر اس میں اس کی سطح پر زنگ کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن جب آپ آئینے کو پالش کرتے ہیں تو تصویر اس میں ظاہر ہوتی ہے، نہ تصویر کی طرف حرکت سے اور نہ ہی تصویر کی طرف اس کی حرکت سے، لیکن پردہ ہٹانے کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ظاہر ہوتا ہے اور پوشیدہ نہیں ہے، کیونکہ نور کو چھپانا ناممکن ہے، اور نور سے ہر وہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے جو پوشیدہ ہے، اور اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ آنکھ کی آنکھوں سے روشنی کا چھپانا صرف دو معاملات میں سے ایک کی وجہ سے ہوتا ہے - یا تو آنکھ کی پتلیوں میں گندگی کی وجہ سے ، یا اس میں کمزوری کی وجہ سے کیونکہ یہ بڑی چمکتی ہوئی روشنی کو برداشت کرنے سے قاصر ہے جس طرح چمگادڑوں کی آنکھیں سورج کی روشنی کو برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔ پس تم پر اس کے سوا کچھ لازم نہیں ہے کہ روح کی آنکھ سے گندگی کو صاف کر دے اور اس کی آنکھوں کو مضبوط کرے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ روح میں ہوگا جس طرح تصویر آئینے میں ہے، تاکہ جب وہ اچانک روح کے آئینے میں اپنے آپ کو ظاہر کرے گا تو آپ یہ کہنے میں جلدی کریں گے کہ وہ روح کے اندر ہے اور انسانی فطرت (*ناسوت*) نے الٰہی فطرت (*لاحوت*) کو پہن لیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پختہ کلام سے تقویت دے تاکہ آپ کو احساس ہو کہ تصویر آئینے کے اندر نہیں ہے، لیکن [صرف] اس میں جھلکتا ہے۔ اگر تصویر آئینے کے اندر آرام کرتی ہے تو یہ ناقابل تصور ہوگا کہ یہ ایک وقت میں بہت سے آئینے میں جھلکتا ہے۔ بلکہ [معاملہ یہ ہوگا کہ] اس وقت جب یہ ایک آئینے کے اندر آرام کرتا تھا ، تو وہ دوسرے آئینے سے حرکت کرتا تھا۔ تاہم، یہ حقیقت کم از کم نہیں ہے، کیونکہ خدا ایک ہی وقت میں بہت سے گنوسٹکس کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بعض روحوں کے آئینوں پر سب سے زیادہ کامل ، سب سے زیادہ واضح ، سب سے زیادہ براہ راست اور سب سے زیادہ واضح طور پر ، اور دوسروں کے سامنے انتہائی خفیہ اور بالواسطہ طور پر ظاہر کرتا ہے ، اور یہ [فرق] آئینے کی وضاحت ، اس کی چالش، اس کی شکل کی درستگی اور اس کی سطح کی صحیح چوڑائی کے مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو عام لوگوں پر ظاہر کرتا ہے، لیکن ابوبکر (ایک عظیم صحابی اور اولیاء) پر خاص طور پر۔

اللہ کی طرف ترقی اور اس کے حصول کا علم بھی قرآن کے سمندروں سے گہرا سمندر کی مانند ہے۔ ہم تمہارے لیے وہ آیتیں جمع کریں گے جو تمہیں (اللہ کی طرف) رہنمائی کریں گی تاکہ تم ان پر غور کرو ہوسکتا ہے کہ جو کھولا جائے وہ آپ کے لئے کھول دیا جائے۔ یہ تقسیم [قرآنی سورتوں اور آیات کی] چمکتے ہوئے موتیوں کی تشکیل کرتی ہے۔

آیات قرآنی آیات کی تیسری تقسیم میں خدا تک پہنچنے کے وقت انسان کی حالت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں سکون اور خوشی کا ذکر شامل ہے جس کا اسے سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر قسم کے آرام میں سے جو لفظ جامع ہے وہ جنت ہے اور ان میں سب سے اونچی بات اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کی لذت ہے۔ اس میں ان لوگوں کو ذلت اور سزا کا بھی ذکر ہے جو اس سے پردہ رکھتے ہیں اور اس کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرنے میں غفلت برتتے ہیں۔ درد کی تمام اقسام پر مشتمل لفظ جہنم ہے اور ان میں سب سے زیادہ شدید پردہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کی طرف سے پیدا ہونے والا درد اور اس سے دور ہونا (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے!) ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے کلام میں اس کا ذکر کیا ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ

"یقینا نہیں۔ بے شک وہ اس دن اپنے رب سے پردہ ڈالے جائیں گے۔ (سورۃ البقرۃ سورۃ 83، آیت 15)

اس تقسیم میں دونوں گروہوں کے سابقہ حالات کا ذکر بھی شامل ہے، یعنی اہل جنت اور جہنم والے۔ ان شرائط کا اظہار قیامت ، مردوں کو زندہ کرنے ، حساب کتاب ، ترازو [لوگوں کے اچھے اور برے اعمال دونوں کو تولنے کے لئے] ، اور پل [جہنم پر جس سے ہر کوئی جنت میں داخل ہونے کے لئے عبور کرے گا] کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ان کے واضح ظاہری معنی ہیں، جو عام آدمیوں کے لیے کھانے کی جگہ پر قابض ہیں۔ ان میں [بھی] غیر واضح راز ہیں، جو خاص لوگوں (یعنی گنوسٹکس یا خدا کے دوست اور مقربے) کے لیے زندگی کی جگہ پر قابض ہیں۔ قرآن

مجید کی آیات اور اس کی ابواب کا تیسرا حصہ ان کی تفصیل سے متعلق ہے۔ ہم ان کو [اس کتاب میں] جمع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ وہ جمع کرنے اور گننے سے زیادہ ہیں۔ ان کے معاملے میں ، سوچنے اور تلاش کی گنجائش ہے۔ یہ تیسری تقسیم سبز کرسولائٹ پر مشتمل ہے۔

چوتھی تقسیم ان لوگوں کے حالات سے متعلق ہے جنہوں نے خدا کی راہ پر چلتے ہیں اور جنہوں نے اس کا انکار کیا اور اس کی راہ سے انحراف کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام، نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہ السلام، مریم، داؤد، سلیمان، یونس، لوط، حنوک، خضر، شعیب، الیاس اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جبرائیل، میکائیل علیہ السلام، جبرائیل، میکائیل اور فرشتوں کی کہانیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح۔ جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا اور اس کی راہ سے انحراف کیا ان کے حالات نمرود، فرعون، *عاد*، قوم لوط، آبائی *تبع*، باغ کے لوگ، مکہ کے کافر، بنی انسان کی مخلوقات کے پوجنے والے، شیاطین وغیرہ کی طرح ہیں۔ اس تقسیم کا فائدہ خوف کے جوش و خروش ، تنبیہ دینے اور غور و فکر کو فروغ دینے میں مضمر ہے۔ اس تقسیم میں راز، اشارے اور اشارے بھی شامل ہیں، جن کے لیے طویل غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگوں کے ان دونوں گروہوں کے حالات کی تفصیل میں بھوری رنگ کے امبرگریس اور تازہ کھلتے ہوئے ایلو کی لکڑی پائی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں نازل ہونے والی آیات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو تلاش کرنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پانچویں حصہ (قرآنی سورتوں اور آیات) کا تعلق کافروں کے حق کے خلاف دلائل اور واضح دلائل سے ان کی ذلت کی واضح تشریح اور ان کے جھوٹ اور خود فریبی کو واضح طور پر ظاہر کرنے سے ہے۔ ان کا جھوٹ تین قسم کا ہے: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی جائیں جو اس کے لائق نہیں ہیں، مثلا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں، اس کی اولاد ہے، اس کے شریک ہیں، وغیرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر، کاہنی اور جھوٹا سمجھنا، ان کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح ایک آدمی ہے اس لیے وہ پیروی کا مستحق نہیں ہے۔ تیسرا ہے قیامت کا انکار، قیامت کا انکار، مردوں کو زندہ کرنا، جنت اور جہنم اور اطاعت اور نافرمانی کے نتائج سے انکار کرنا۔ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کافروں کے خلاف دلائل اور نزاکتیں موجود ہیں جن میں ایک بہت بڑا تریاق پایا جاتا ہے۔ اس [پانچویں تقسیم] کے بارے میں آیات بھی واضح طور پر بے شمار ہیں۔

قرآنی سورتوں اور آیات کی چھٹی تقسیم میں راہ کے مراحل پر ذمہ داریوں کی تکمیل اور ان اسلحہ کو تیار کرکے رزق لینے اور تیاری حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو ڈاکوؤں اور لٹیروں کو مرحلہ وار کریں گے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا ان لوگوں کے مراحل میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں، اور بدن ایک سواری ہے۔ جو شخص اسٹیج اور گاڑی کے انتظام کو نظر انداز کرتا ہے وہ اپنا سفر مکمل نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اپنی روزی روٹی کے معاملات کو ٹھیک نہیں کرتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل عقیدت کا کام جو اس کی طرف جانے کا راستہ طے کرنے کے مترادف ہے، حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ عقیدت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا جسم صحت مند نہ ہو اور اس کی اولاد جاری نہ رہے۔ یہ دونوں اپنے وجود کے تحفظ کے ذریعے اور ان چیزوں کو پسپا کرنے کے ذریعے مکمل ہو جاتے ہیں جو انہیں خراب کرتی ہیں اور انہیں تباہ کرتی ہیں۔ جہاں تک ان کے وجود کے تحفظ کے ذرائع کا تعلق ہے تو وہ کھانا پینا ہے جو جسم کے تسلسل اور جنسی تعلقات کے لیے ہے جو اولاد کے تسلسل کے لیے ہے۔ خوراک زندگی کے ایک ذریعہ کے طور پر پیدا کی جاتی ہے ، اور مادہ انواع کے تسلسل کے ذریعہ کے طور پر۔ لیکن کھانے پینے کی اشیاء اور عورتیں ان کی فطری کیفیت کی وجہ سے خاص نہیں ہیں۔ اگر اس معاملے کو خاص بنانے کے احکام کی وضاحت کیے بغیر چھوڑ دیا جاتا تو لوگ اس سے غافل ہو جاتے اور آپس میں جھگڑا کرتے اور اس سے وہ (خدا کی طرف) راہ پر چلنے سے ہٹ جاتے۔ یقینا ، یہ انہیں تباہی کی طرف لے جاتا۔

چنانچہ قرآن مجید نے فروخت، سود خوری، قرض دینے اور وصول کرنے، وراثت کی تقسیم، مطلوبہ اخراجات کے اسباب، مال غنیمت کی تقسیم، صدقات، شادیوں، غلاموں کی آزادی اور جنگ میں قیدیوں کو لینے سے متعلق آیات میں دولت کے بارے میں خصوصیت کے احکام بیان کیے ہیں۔ قرآن مجید نے الزام لگاتے وقت، اقرار، حلف اور

گواہی کے ذریعے دولت کے حوالے سے خصوصیت کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ جہاں تک عورتوں کے بارے میں خصوصیت کا تعلق ہے تو اس کا بیان آیات میں نکاح ، طلاق ، طلاق سے دستبردار ہونا ، بیوہ یا مطلقہ عورت کو دوبارہ شادی سے پہلے مقرر کردہ ریٹائرمنٹ کی قانونی مدت ، *خلع* (عورت کا طلاق کا حق) ، جہیز (شادی کے وقت اس کے شوہر کی طرف سے عورت کو ادا کی جانے والی واجب رقم) اور ان عورتوں کے بارے میں بھی آیات میں بیان کیا گیا ہے جن کے ساتھ نکاح خون کے رشتے اور رشتے کی وجہ سے ناجائز ہے شادی۔ ان عناصر کو پسپا کرنے کے ذرائع جو جسم کی صحت اور اولاد کے تسلسل دونوں کو خراب کرتے ہیں وہ سزائیں ہیں جو انسان کو ان عناصر سے روکتی ہیں۔ یہ سزائیں جارحیت پسندوں کے ساتھ جنگ اور ظالموں کے خلاف جدوجہد، سزاؤں ، معاوضے ، ملامت ، کفارہ ، خون کا تاوان [قتل کے متاثرین کے اہل خانہ کو] اور [بے گناہ لوگوں کے خلاف ہونے والے ظلم کے بدلے] کی طرح ہیں۔ انصاف اور خون کا تاوان [کسی دوسرے کی زندگی] اور اعضاء کو تباہ کرنے کی کوشش سے روکنے کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔ چوری اور ہائی وے ڈکیتی کی سزائیں اس چیز کو پسپا کرنے کے ایک ذریعہ کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جو دولت کو تباہ کرتی ہے ، جو معاش کا ذریعہ ہے۔ اور جھوٹے الزام لگانے کی سزائیں اس سے روکنے کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں جو اولاد اور نسب کے معاملات کو خراب کرتی ہے اور نوع انسانی اور آنے والی نسلوں کے تسلسل کے ذرائع کو خراب کرتی ہے۔ جارحیت کرنے والوں کے خلاف جدوجہد کا حکم اس چیز کو پسپا کرنے کے طور پر دیا گیا ہے جو حق کے انکار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یعنی ذریعہ معاش اور عبادت کے ذرائع کی خرابی، جس سے خدا تک پہنچنے کا کام پورا ہوتا ہے۔ ظالموں کے ساتھ کشمکش کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس الجھن کو دور کیا جا سکے جو اس وقت پیدا ہو جائے گا جب نافرمان لوگ حکومت کے قبضے سے نکل جائیں گے جو اس شخص کے سپرد ہے جو راہ پر چلنے والوں اور صالحین کی حمایت کرنے والوں کی حفاظت کرتا ہے، جیسا کہ رب العالمین کے رسول کا نائب ہے۔ ان معاملات کے بارے میں نازل ہونے والی آیات تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان میں بنیادی اصول، فوائد، حکمت اور فوائد شامل ہیں، جن سب کو وہ سمجھتا ہے جو نازل شدہ شریعت کی خوبصورتی پر غور کرتا ہے جو اس زندگی کے معاملات کے بارے میں فیصلوں کی حدود کو بیان کرتا ہے۔ قرآنی آیات کی اس چھٹی تقسیم میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو حلال اور حرام اور اللہ کی حدود کہلاتی ہیں۔ اس تقسیم کے تحت آنے والی آیات میں سب سے مضبوط کستوری پائی جاتی ہے۔

یہ [قرآن کی تمام آیات کی چھ تقسیمیں یا درجہ بندی] ان تعلیمات کا سنگم ہیں جو قرآن کی سورتوں اور ان کی آیات میں موجود ہیں۔ اگر آپ ان چھ حصوں کو ان کی مطلوبہ شاخوں کے ساتھ ایک تار پر باندھ دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ [قرآن کی آیات] کی دس قسمیں ہیں۔ ان کا تعلق خدا کی ذات ہے، صفات الہامی صفات، اعمال الہامی *(عفال)*، آخرت کی زندگی (اس دنیا کی زندگی کے موت کے ساتھ ختم ہونے کے بعد)، سیدھی راہ (یعنی خدا کی طرف جانے والا روحانی راستہ اور عرفہ یا *معارفہ*)، تزکیہ اور *تزکیہ* یا روحانیت سے متعلق تعلیمات جو خدا کی گنوسس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں]، اولیاء کی شرائط (جنہوں نے گنوسس اور روحانی کمال حاصل کیا)، خدا کو مسترد کرنے والوں کے حالات، کافروں کے ساتھ [اس کے] دلائل [حق کی روشنی کو دیکھنے میں ان کی مدد کرنے کے لیے]، اور [آخر میں] قانونی فیصلوں کی حدود [انسانی معاشروں کے فائدے کے لیے جان، مال، امن اور خوشحالی کے تحفظ کے لیے]۔

دل کا پالش شدہ آئینہ اور اس میں جھلکنے والی سچائی کی روشنی

غزالی نے اپنی مشہور ترین کتاب "احییٰ علوم الدین" *یا "خدا کی راہ کی معرفت کا احیاء" (4 جلدیں)* کی تیسری *جلد (جسے "روح کی تباہی کا چوتھائی بھی کہا جاتا ہے") کی تیسری جلد (جسے "روح کی تباہی کا چوتھائی بھی کہا جاتا ہے") میں* اس طرح تفصیل سے بیان کیا ہے۔ [10]:

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ علم کی نشست دل ہے، جس سے میری مراد وہ لطیف نازک مادہ ہے جو جسم کے تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اور اس کی اطاعت اور خدمت اس کے تمام اعضاء کرتے ہیں۔ قابل فہم کی حقیقی نوعیت کے ساتھ اس کے تعلق میں، یہ بدلتی ہوئی شکلوں کے ساتھ اپنے تعلق میں آئینے کی طرح ہے۔ کیونکہ جس طرح جو چیز بدلتی ہے، اس کی ایک شکل ہوتی ہے، اور اس صورت کی تصویر آئینے میں جھلکتی ہے اور اس میں ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح ہر عقل کی بھی اپنی مخصوص نوعیت ہوتی ہے، اور اس فطرت کی ایک شکل ہوتی ہے جو دل کے آئینے میں منعکس اور ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ آئینہ ایک چیز ہے ، افراد کی شکلیں دوسری چیز ہیں ، اور آئینے

میں ان کی تصویر کی نمائندگی ایک تیسری ہے۔ چنانچہ مجموعی طور پر تین چیزیں ہیں، تو یہاں بھی تین چیزیں ہیں: دل، چیزوں کی مخصوص نوعیت اور دل میں ان کی نمائندگی اور موجودگی۔ عقل اس دل کے لیے کھڑی ہے جس میں چیزوں کی مخصوص نوعیت کی تصویر موجود ہے۔ قابل فہم چیزوں کی مخصوص نوعیت کے لئے کھڑا ہے۔ فہم کا مطلب آئینے میں تصویر کی نمائندگی ہے۔

مثال کے طور پر پکڑنے کے عمل کے لیے بھی وہ چیز درکار ہوتی ہے جو پکڑتی ہے، جیسے کہ ہاتھ اور جو پکڑا جاتا ہے، جیسے تلوار، اور تلوار کو ہاتھ میں رکھ کر تلوار اور ہاتھ کو اکٹھا کرنے کا عمل جسے پکڑنے کا عمل کہا جاتا ہے، اسی طرح دل میں عقل کی تصویر کی موجودگی کو بھی فہم کہا جاتا ہے۔ حقیقت وجود میں تھی اور دل میں بھی تھی لیکن کوئی فہم موجود نہیں تھا، کیونکہ فہم کا مطلب ہے کہ دل میں حقیقت کی موجودگی ہے۔ اسی طرح تلوار بھی موجود تھی اور ہاتھ بھی، لیکن 'پکڑنے اور پکڑنے کا عمل' نام کی کوئی چیز نہیں تھی کیونکہ تلوار دراصل ہاتھ میں نہیں آئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ گرفت کا مطلب ہے ہاتھ میں تلوار کی موجودگی ، جبکہ عقل خود دل میں نہیں آتا۔ کیونکہ آگ خود اس شخص کے دل میں نہیں آتی جو آگ کو جانتا ہے، بلکہ وہ چیز جو حقیقت میں اس کی تعریف اور حقیقی نوعیت میں موجود ہے جو اس کی شکل سے مطابقت رکھتی ہے۔ لہٰذا دل کا آئینے سے موازنہ کرنا زیادہ موزوں ہے، کیونکہ انسان خود آئینے میں موجود نہیں ہے، بلکہ صرف ایک تصویر موجود ہے جو اس کے مطابق ہے، اور اس طرح دل میں ایک تصویر کی موجودگی کو فہم کہا جاتا ہے۔

آئینہ پانچ وجوہات کی بناء پر شکلوں کی عکاسی نہیں کرسکتا ہے: سب سے پہلے ، اس کی تشکیل میں خرابی کی وجہ سے ، مثال کے طور پر ، خام لوہے کا ایک ٹکڑا اس سے پہلے کہ اسے موڑ دیا جائے اور شکل دی جائے اور پالش کیا جائے۔ دوسرا، اس کی سطح پر گندگی اور زنگ اور سست پن کی وجہ سے، اگرچہ یہ تشکیل میں کامل ہے؛ تیسرا، کیونکہ یہ شے کی سمت سے کسی اور چیز کی طرف موڑ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، اگر وہ شے آئینے کے پیچھے ہو؛ چوتھا، آئینے اور شے کے درمیان ایک پردہ رکھنے کی وجہ سے؛ اور پانچواں، مطلوبہ شے کی سمت سے لاعلمی کی وجہ سے، تاکہ اسے شے کی پوزیشن اور سمت کے سامنے رکھنا ناممکن ہے۔

اسی طرح ، دل ایک آئینہ ہے جو اس میں تمام چیزوں کی حقیقت کی حقیقی نوعیت کی عکاسی کرنے کے لئے تیار ہے۔ دلوں میں علم کی کمی ہے، جس کی کمی صرف مندرجہ ذیل پانچ وجوہات کی بنا پر ہے:

پہلی وجہ اپنی فطرت میں ایک نقص ہے، جیسے بچے کا دل جو اپنی ناقص ہونے کی وجہ سے فہم چیزوں کی عکاسی نہیں کرتا۔

دوسری وجہ نافرمانی کی وجہ سے سست روی اور بہت سی خواہشات کی وجہ سے دل کے چہرے پر ڈھیر ہونے والی گندگی ہے، کیونکہ یہ دل کی پاکیزگی اور پاکیزگی کو روکتی ہیں۔ اس میں حقیقت اس کے اندھیروں اور اس پر ڈھیر ہونے والی گندگی کے تناسب سے ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ اس طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دماغ کی کوئی چیز اسے چھوڑ دیتا ہے اور اس کی طرف واپس نہیں آتا۔ یعنی ، اس کے دل پر ایک سست پن آتا ہے جس کا اثر ہمیشہ کے لئے رہتا ہے ، یہاں تک کہ جب اس کا مقصد کسی نیک عمل سے اسے دور کرنا ہو۔ لیکن اگر اس نے اس سے پہلے کے برے کام کے بغیر نیکا کام کیا ہوتا تو دل بلا شبہ زیادہ چمک اٹھتا۔ لیکن جب برائی سے پہلے ہوئی تو نیکی کی قیمت ختم ہو گئی حالانکہ اس سے دل برے عمل سے پہلے کی حالت میں بحال ہو گیا تھا لیکن اس سے اس کی روشنی میں اضافہ نہیں ہوا۔ یہ ایک واضح نقصان اور ایک ناگزیر نقص ہے۔ وہ آئینہ جس کو داغ دیا گیا ہے اور پھر پالش کرنے والے کپڑے سے صاف کیا گیا ہے ، وہ اس کی طرح نہیں ہے جسے پالش کرنے والے سے صاف کیا گیا ہے تاکہ اس کی صفائی کو بڑھا دیا گیا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اور خواہشوں کے تقاضوں کی مخالفت کرتے ہوئے دل کو روشن کرتے ہیں اور اسے پاک کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

"جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں یقینا اپنی راہوں پر راہ دکھائیں گے۔" (سورۃ البقرۃ البقرۃ القرآن آیت نمبر 69)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس علم کا وارث بناتا ہے جس کو وہ جانتا ہے۔ (یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مطابق "ابو نعیم" نامی نبوی روایات کے مجموعے میں نقل ہوئی ہے)۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ دل کو حقیقت کی سمت سے منہ موڑ دیا جا سکتا ہے جس کی تلاش کی جاتی ہے۔ خدا کے راستباز اور فرمانبردار بندے کا دل اگرچہ روشن ہے، لیکن حقیقت کا واضح بیان نہ ہو، کیونکہ وہ حقیقت کی تلاش میں نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے پاس اس چیز کی سمت کے برعکس [دل] ہے۔ شاید اس کی ساری توجہ جسمانی اطاعت کی گہرائیوں یا ذریعہ معاش کا انتظام کرنے کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے اور اس کی فکر حضور الٰہی اور پوشیدہ الٰہی حقیقتوں پر غور و فکر کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے۔ چنانچہ اس پر صرف وہی بات نازل ہوتی ہے جس کے بارے میں وہ سوچتا ہے، چاہے وہ اس کے دینی کاموں کی باریک بینی خامیاں ہوں یا روح کی پوشیدہ خامیاں اگر وہ اس کے ذہن پر قابض ہیں، یا اگر وہ ان کے بارے میں سوچتا ہے تو روزی روٹی کے مفادات کے دلچسپی۔ اگر اطاعت کے اعمال اور اعمال کی تفصیلات پر توجہ محدود کرنا حقیقت کے انکشاف کو واضح طور پر روکتا ہے تو آپ اس شخص کے بارے میں کیا اندازہ ہے جو اپنی توانائی موجودہ دنیا کی خواہشات اور لذتوں اور اس سے وابستہ چیزوں میں صرف کرتا ہے؟ ایسے شخص سے حقیقی وحی کو کیسے نہیں چھپایا جائے؟

چوتھی وجہ پردہ ہے۔ فرمانبردار شخص جس نے اپنی بھوک پر قابو پایا ہے اور اپنے آپ کو کسی خاص حقیقت کے لیے وقف کر دیا ہے اس نے اس پر یہ بات ظاہر نہ کی ہو کیونکہ یہ اس سے کسی ایسے عقیدے سے پردہ پو ہے جو اس نے بچپن سے ہی کیا تھا، اور اس نے آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی کی ہے اور نیک نیتی سے قبول کیا ہے۔ یہ عقیدہ اسے حقیقت کی حقیقی نوعیت سے دور کرتا ہے اور ان عقائد کی سخت تشریحات کے خلاف کسی بھی چیز کو اس کے دل پر ظاہر ہونے سے روکتا ہے جسے اس نے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا پردہ ہے جو زیادہ تر مسلمان علمی متکلمین اور فقہی مکاتب فکر کے پرجوش پیروکار ہیں، اگر سب سے زیادہ نیک لوگ نہیں تو آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر غور و فکر کرنے والے لوگوں پر چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ ان کی آنکھیں بند کر کے ان عقائد پر عمل کرنے سے پردہ ڈال رہے ہیں جو ان کی روحوں میں سخت ہیں اور ان کے دلوں میں مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور ان کے اور حقیقتوں کے ادراک کے درمیان ایک پردہ بن چکے ہیں۔

پانچویں وجہ اس سمت سے لاعلمی ہے جس سے مطلوبہ چیز کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ نوسکھئیے کو نامعلوم چیزوں کا علم حاصل نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ ان علوم کو یاد کر کے جو اس کی خواہش سے متعلق ہیں۔ ایک بار جب وہ ان کو یاد کرے گا اور ان کو اپنے اندر ایک خاص ترتیب میں ترتیب دے گا جس کا علمی نام 'کٹوتی کا عمل' ہے تو پھر اسے مطلوبہ چیز کی سمت مل جائے گی اور اس کی اصل نوعیت اس کے دل پر واضح طور پر ظاہر ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ چیزیں جو فطری نہیں ہیں جن کو جاننا چاہتا ہے، حاصل کردہ علم کے جال کے سوا نہیں پکڑا جا سکتا۔ درحقیقت، علم کی کوئی چیز حاصل نہیں کی جاتی سوائے علم کی دو سابقہ چیزوں کے جو ایک خاص انداز میں مربوط اور یکجا ہیں، اور ان کے امتزاج سے علم کا ایک تیسرا شے حاصل ہوتا ہے.... علم کی ہر شے کے دو خاص ماخذ اور ان کے امتزاج کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے اور اس امتزاج سے علم کی وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس کی تلاش کی جاتی ہے۔ ان ماخذ سے لاعلمی اور ان کے امتزاج کے انداز سے لاعلمی وہ چیز ہے جو سمجھنے میں رکاوٹ ہے۔ اس کی مثال کے طور پر ، پہلے ہی ذکر کیا گیا ہے کہ شے کس سمت میں ہے اس سے لاعلمی ہے۔

ایک اور مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ آئینہ اپنے چہرے کے سامنے رکھتا ہے تو اس کے چہرے کی پوزیشن کے برعکس نہیں رکھا جاتا، جو اس طرح اس میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسے اپنے چہرے کے پیچھے رکھتا ہے اور اس کا سامنا کرتا ہے تو اس نے آئینے کو اپنی آنکھوں سے دور کر دیا ہے اور اس طرح اس میں آئینہ یا چہرے کا عکس نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ اسے اپنے چہرے کے پیچھے ایک اور آئینے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا سامنا پہلا آئینہ اس طرح ہو کہ وہ اسے دیکھ سکے اور اسے دونوں آئینوں کی جگہ کے درمیان مناسب تعلق کا مشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ اس کے چہرے کی تصویر اس کے سامنے والے آئینے میں منعکس ہو اور اس آئینے کی تصویر دوسرے آئینے میں جھلکتی ہو جو آنکھ کا سامنا کرتی ہے۔ پھر آنکھیں اس کے چہرے کی تصویر کو دیکھتی ہیں۔ لہٰذا علم کے حصول میں عجیب و غریب طریقے ہیں جن میں متضاد موڑ اور

ترچھی راہیں ہیں جو آئینے کے بارے میں ہم نے بیان کی ہیں اور زمین پر شاذ و نادر ہی وہ شخص ہے جو ان واضح راستوں سے واضح طور پر دیکھنے کی راہ پر گامزن ہو۔

یہ وہ وجوہات ہیں جو دل کو چیزوں کی اصل نوعیت کو جاننے سے روکتی ہیں۔ ورنہ ہر دل دستوری طور پر حقائق کو جاننے کے قابل ہے، کیونکہ یہ ایک عظیم اور عظیم چیز ہے، جو اس خاص خاصیت اور اعلیٰ صفت کی وجہ سے دنیا کے دیگر مادوں سے ممتاز ہے، جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول سے اشارہ کیا گیا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

"بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل کرنے سے انکار کیا اور ڈرنے لگے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (سورۃ البقرۃ 33، آیت 72)

یہ اس خاص خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو انسان کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے ممتاز کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ خدا کی توکل برداشت کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ امانت تجرباتی (روحانی) علم اور توحید ہے۔

ہر انسان کا دل اپنے اصل آئین میں اس امانت کو برداشت کرنے کے قابل اور قابل ہوتا ہے، لیکن جن وجوہات کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ اسے اس بوجھ کو اٹھانے اور اس امانت کی وصولی سے روکتی ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہر بچہ *فطرہ* (انسان کی حقیقی فطری فطرت جو حقیقت الٰہی اور آفاقی حقیقتوں کے مطابق ہے) پر پیدا ہوتا ہے اور صرف اس کے والدین ہی اسے یہودی، عیسائی یا مجوس بناتے ہیں۔ (یہ روایت نبوی کے مجموعے سے نقل کی گئی ہے صحابہ کرام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر شیطان بنی آدم (یعنی انسانوں) کے دلوں پر منڈلاتا نہ ہوتا تو وہ آسمان کی سلطنت کو دیکھ سکتے ہوتے۔ یہ ان میں سے بہت سی رکاوٹوں کا حوالہ ہے جو دل اور حاکمیت کے درمیان پردہ ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اسی طرف اشارہ ہے جس میں انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! خدا کہاں ہے؟ زمین پر یا آسمان پر؟" آپ نے فرمایا: اس کے مومن بندوں کے دلوں میں ہے۔ ایک خاص روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نہ میری زمین اور نہ ہی میرا آسمان مجھے گھیر سکتا ہے بلکہ میرے بندے کا نرم اور پرسکون دل ہے۔ مزید منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھے آدمی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر وہ مومن جس کا دل پاک ہو گیا ہو۔ انہوں نے پوچھا: پاک دل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ پرہیزگار پاک دل ہے جس میں نہ کوئی دھوکہ ہے، نہ ناانصافی، نہ غداری، نہ بغض ہے اور نہ حسد [اس طرح دل پاک اور ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہے]۔

اس ضمن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میرے دل نے اپنے رب کو دیکھا جب تقویٰ کی وجہ سے پردہ ہٹا دیا۔ کیونکہ اگر اپنے اور دل کے درمیان پردہ اٹھا دیا جائے تو اس کے دل میں ظاہری مادی دنیا اور غیب کی حاکمیت واضح طور پر ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ ایک باغ دیکھتا ہے جس کا ایک حصہ آسمان اور زمین کی چوڑائی ہے۔ اس کی کل وسعت آسمانوں اور زمین سے زیادہ ہے، کیونکہ آسمان اور زمین مرئی مادی دنیا کے لیے کھڑے ہیں، جو اگرچہ وسعت میں وسیع اور دور رس ہے، لیکن ابھی تک مجموعی کے مقابلے میں محدود ہے۔ لیکن غیب غیب کا غلبہ لامحدود ہے، جس میں وہ اسرار شامل ہیں جو آنکھوں کی نظروں سے باہر ہیں اور صرف بصیرت سے ہی ادراک کیے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس کا صرف ایک حصہ آنکھوں کو ظاہر ہوتا ہے اور صرف بصیرت سے ہی سمجھا جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس کا صرف ایک حصہ دل کو ظاہر ہوتا ہے، لیکن اپنے آپ میں اور خدا کے علم سے اس کے تعلق میں، یہ لامحدود ہے۔

مادی دنیا اور غیب سلطنت کو ایک درجہ بندی کے تحت اکٹھا کیا جاتا ہے، اسے خداوند کی موجودگی کہا جاتا ہے، کیونکہ خداوند کی موجودگی تمام موجود چیزوں پر محیط ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے اعمال اور اس کی سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اس کے بندے اس کے اعمال کا حصہ ہیں۔ دل کو جو چیز ظاہر ہوتی ہے، وہ کچھ لوگوں کے مطابق، خود باغ ہے۔ لیکن اہل حق کے نزدیک یہ جنت کی فضیلت کا ذریعہ ہے اور جنت میں اس کے قبضے کی

وسعت اس کے علم کی وسعت کے تناسب سے ہے اور جس حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور اس کے اعمال اس پر نازل ہوئے ہیں۔ ان تمام عبادات اور اعضاء کے اعمال کا مقصد دل کی تطہیر، بہتری، روشنی اور روشن خیالی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ﴿٩﴾

"خوشحال وہی ہے جو اسے پاک کرے۔" (سورۃ البقرۃ باب 91، آیت 9)

[باطنی] تطہیر کا مقصد اس پر ایمان کی روشنی حاصل کرنا ہے۔ میرا مطلب خدا کے علم کی روشن روشنی ہے (یعنی، گنوسس یا "*معارفہ*")۔ اللہ تعالیٰ کے بیان میں یہی نکتہ ہے:

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ

"اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے وہ اپنے دل کو اسلام کی طرف کشادہ کرتا ہے (یعنی خدا کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور روح کی پاکیزگی اور روشنی جو ایمان کا حقیقی نور اور خدا کی معرفت اس میں لاتا ہے)۔ (سورۃ البقرۃ باب 6 آیت 125)

أَفَمَن شَرَحَ ٱللَّهُ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ

"پھر کیا وہ شخص جس کا دل اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے سر تسلیم کرنے کی طرف آمادگی کے ساتھ کھول دیا ہو اور اسے اپنے پروردگار (یعنی اللہ) کی طرف سے نور سے منور کیا جائے، (اس کی تشبیہ اندھے اور بہرے دل کے ساتھ؟" (سورۃ البقرۃ باب ۳۹، آیت ۲۲)

اس روشنی اور ایمان کے تین درجات ہیں: پہلا درجہ عام لوگوں کا ایمان ہے جو خالص اندھا نقل ہے۔ دوسری ڈگری علمی الہیات دانوں کا عقیدہ ہے جو منطقی استدلال کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تیسری ڈگری گنوسٹک کا ایمان ہے، جو یقین کی روشنی [اور ایمان کی صداقت] کے ساتھ واضح طور پر دیکھ رہا ہے۔

میں آپ کو ایک مثال دے کر واضح کروں گا: مثال کے طور پر آپ کا اعتراف کہ زید گھر میں ہے اس میں تین ڈگری ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ کسی نے آپ کو بتایا ہے ، کسی ایسے شخص کو جس کا آپ نے تجربہ کیا ہے کہ وہ سچا ہے اور کبھی بھی جھوٹ بولنے کے لئے جانا جاتا ہے اور کبھی بھی اس کے لفظ پر شک نہیں کیا ہے۔ آپ کا دل ، محض سننے سے ، سکون سے اس کی رپورٹ وصول کرتا ہے اور اس سے مطمئن ہوتا ہے۔ یہ محض اندھی قبولیت سے عقیدہ ہے، اور ایسی نوعیت کا عام لوگوں کا ایمان ہے۔ کیونکہ جب وہ امتیازی سلوک کی عمر کو پہنچے تو انہوں نے اپنے باپ دادا اور ماؤں سے خدا کے وجود، اس کے علم، ارادے، قدرت اور اس کی باقی صفات کے بارے میں سنا تھا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت اور ان کی سچائی اور ان کے پیغام کا بھی ذکر ہے۔ انہوں نے اسی طرح وصول کیا جیسے انہوں نے اس میں سنا اور اس میں قائم ہو گئے اور اس سے مطمئن ہو گئے اور ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ ان کے باپوں، ماؤں اور اساتذہ کی باتوں سے اختلاف کریں کیونکہ وہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ یہ ایمان آخرت میں نجات کا موثر سبب ہے، اور جو لوگ اس کو قبول کرتے ہیں وہ داہنے والوں کی پہلی (یعنی سب سے نیچے) صف میں ہیں (یعنی نجات حاصل کرنے والے) لیکن خدا کے قریب آنے والوں میں سے نہیں۔ کیونکہ ایمان کی اس سطح پر ایک صوفیانہ نقاب کشائی ہے، نہ بصیرت اور نہ ہی یقین کی روشنی سے دل کی توسیع ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ غلطیاں اس میں ہوں جو افراد سے سنی جاتی ہیں، بلکہ گروہوں سے، اس میں جو اصول سے متعلق ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے دل بھی اپنے باپ دادا سے جو کچھ سنتے ہیں اس سے مطمئن ہیں۔ مسلمان حق پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے نہیں کہ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ اس لیے کہ کلام حق ان تک پہنچا دیا گیا ہے۔

عقیدے کی دوسری ڈگری یہ ہے کہ آپ (خود بھی) زید کے الفاظ اور آواز گھر کے اندر سے سنتے ہیں، لیکن دیوار کے پیچھے سے اور آپ اس سے گھر میں ان کی موجودگی کی حقیقت سے اندازہ لگاتے ہیں۔ پھر آپ کا یقین ، آپ کا داخلہ اور آپ کا یقین کہ وہ گھر میں ہے صرف سنی سنائی باتوں کے ذریعہ آپ کے عقیدے سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیونکہ اگر تمہیں بتایا جائے کہ وہ گھر میں ہے اور پھر اگر تم اس کی آواز سنتے ہو تو تم اس کے بارے میں زیادہ

یقین رکھتے ہو کیونکہ آواز اس شخص کو شکل اور شکل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اسے شکل دیکھنے کی شرط پر سنتا ہے۔ لہٰذا ، اس کا دل اس شخص کی آواز کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ عقیدہ ثبوت کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ غلطی کی پیروی کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے ملتی جلتی ہے۔ نیز ، آواز کی نقل کے ذریعہ دکھاوا کرنا ممکن ہے۔ سننے والے کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی، کیونکہ اس نے اس طرح کے کسی الزام کے بارے میں کوئی خیال نہیں کیا تھا، یا یہ کہ اس طرح کی تبلیغ اور تقلید میں کسی کا مقصد تھا۔

ایمان کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ گھر میں داخل ہو کر اس کی طرف دیکھیں اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یہ حقیقی تجرباتی علم اور یقینی مشاہدہ ہے۔ یہ ان لوگوں کے علم کی طرح ہے جو اللہ کے قریب پہنچے ہیں اور سچائی کے محبت کرنے والوں کا علم ہے، کیونکہ ان کا ایمان گواہی پر مبنی ہے۔ اس عقیدے میں عام لوگوں اور علمی الہیات دانوں کا عقیدہ بھی شامل ہے اور ان کے پاس یہ بہت واضح اضافی فائدہ ہے جو غلطی کے امکان کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس طبقے کے مومنین علم میں ان کے حصول اور نقاب کشائی کے درجات کے لحاظ سے درجات میں فرق رکھتے ہیں۔

علم کے درجات میں فرق کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص زید کو اس وقت گھر میں دیکھتا ہے جب وہ صحن میں قریب ہوتا ہے اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اسے اچھی طرح دیکھتا ہے جبکہ دوسرا اسے کمرے میں یا دور یا شام کو دیکھتا ہے تاکہ اس کی شکل اس قدر واضح ہو کہ وہ اس کا یقین کر سکے۔ لیکن اس کی شکل کی باریک بینی تفصیلات اور پوشیدہ خصوصیات اس پر واضح نہیں ہیں۔ الہامی سچائیوں کو دیکھنے کے درجات میں فرق اس قسم کا ہے۔ علم کے حصول میں فرق کے بارے میں گویا کوئی زید، عمرو، بکر اور دوسرے کو گھر میں دیکھتا ہے اور دوسرا صرف زید کو دیکھتا ہے۔ اول الذکر کا علم بلاشبہ مؤخر الذکر سے زیادہ ہے کیونکہ معلوم چیزوں کی کثرت ہے۔

علوم کے سلسلے میں یہ دل کی کیفیت ہے اور جو صحیح ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔

.....

دل کے عجائبات اور اسرار

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دل کے عجائبات اس دائرے سے باہر ہیں جو حواس ادراک کے قابل ہیں، کیونکہ دل بھی حواس کے ادراک سے بالاتر ہے۔ فہم اتنی کمزور ہیں کہ وہ سمجھ نہیں سکتے، سوائے کسی ٹھوس مثال کے کے، جو حواس کے ذریعے محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ہم کمزور فہم لوگوں کو دو مثالوں کے ذریعے اس کی وضاحت کریں گے۔

پہلی مثال کے لیے، آئیے فرض کریں کہ زمین میں ایک ذخیرہ کھودا گیا ہے، جس میں پانی اوپر کی سطح سے اس میں بہنے والی ندی نالوں کے ذریعے جمع کیا جا سکتا ہے۔ آبی ذخائر کی تہہ کو بھی کھودا جا سکتا ہے اور اس سے گندگی کو ہٹا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ خالص پانی کا چشمہ پہنچ جاتا ہے، اور پھر اس سے پانی پھوٹ پڑتا ہے یہاں تک کہ خالص پانی کا چشمہ پہنچ جاتا ہے، اور پھر پانی حوض کی تہہ سے پھوٹ پڑتا ہے۔ پانی خالص اور زیادہ مستقل اور شاید زیادہ وافر اور وافر مقدار میں ہے۔ پھر دل حوض کی مانند ہے اور علم پانی کی طرح ہے۔ پانچ بیرونی حواس ندی کی طرح ہیں۔ علم کو ممکنہ طور پر [پانچ] حواس کے دھاروں اور مشاہدہ کی جانے والی چیزوں پر غور و فکر کے ذریعے دل تک پہنچایا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ علم سے بھر نہ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تنہائی اور ریٹائرمنٹ اور آنکھوں کو دیکھنے سے ہٹا کر اس سے ان ندیوں کو روکا جائے اور پھر دل کی گہرائیوں میں اسے پاک کرنے اور اس سے پردوں کی تہوں کو دور کرنے کا عزم کیا جائے یہاں تک کہ اس کے اندر سے علم کا چشمہ پھٹ پڑے۔ لیکن آپ کہہ سکتے ہیں کہ علم دل سے کیسے نکل سکتا ہے حالانکہ وہ اس سے محروم ہے؟ جان لو کہ یہ دل کے اسرار کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عملی دین کی سائنس میں اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں ہے [کیونکہ یہ باطنی علم سے تعلق رکھتا ہے]۔

جس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں کی اصل نوعیت محفوظ لوح میں لکھی ہوئی ہے اور درحقیقت ان فرشتوں کے دلوں میں لکھی ہوئی ہے جو [الٰہی حقیقت کی طرف] قریب لائے گئے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک معمار

خالی کاغذ پر تعمیر کرنے کے منصوبے بناتا ہے اور پھر ڈیزائن یا آرکی ٹائپ کے مطابق ان کو حقیقت میں لاتا ہے۔ اس طرح ، آسمانوں اور زمین کے خالق نے محفوظ تختی پر شروع سے آخر تک دنیا کا ایک آرکیٹائپ لکھا اور پھر اسے آرکی ٹائپ کے مطابق حقیقت میں لایا ۔ اس دنیا سے جو آرکی ٹائپ کی تصویر میں حقیقت میں لائی گئی ہے ، بیرونی حواس اور برقرار رکھنے والے تخیل میں ایک اور تصویر منتقل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص آسمان اور زمین کی طرف دیکھتا ہے پھر اپنی آنکھیں بند کرتا ہے وہ اپنے تصور میں آسمان اور زمین کی تصویر دیکھتا ہے گویا وہ ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اور اگر آسمان اور زمین تباہ ہو جائیں اور وہ خود بچ جائے تو وہ اپنے اندر آسمان اور زمین کی تصویر کو اس طرح پائے گا جیسے وہ ان کو دیکھ رہا ہو اور ان کو دیکھ رہا ہو۔ پھر اس کے تخیل سے ، ایک اثر دل میں منتقل ہوتا ہے ، تاکہ اس میں چیزوں کی حقیقی نوعیت کی نمائندگی کی جائے جو احساس اور تخیل میں داخل ہوچکی ہے۔

دل میں نمائندگی اس دنیا سے مطابقت رکھتی ہے جس کی نمائندگی تخیل میں ہوتی ہے ، جو اس کے بدلے میں دنیا سے مطابقت رکھتی ہے جیسا کہ وہ اپنے آپ میں موجود ہے ، انسان کے تخیل اور دل سے باہر ہے۔ یہ موجودہ دنیا محفوظ ٹیبلٹ میں موجود آثار قدیمہ سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس طرح دنیا کے وجود کے چار درجات ہیں۔ محفوظ لوح میں وجود ہے جو اس کے جسمانی وجود سے پہلے کا ہے۔ اس کا سیکوئل اس کا حقیقی وجود ہے ، جس کے نتیجے میں اس کا تخیلاتی وجود ہوتا ہے - میرا مطلب ہے تخیل میں اس کی تصویر کا وجود۔ اس کے تخیلاتی وجود کے بعد اس کا فکری وجود ہوتا ہے، میرا مطلب ہے دل کے اندر اس کی تصویر کا وجود۔ ان میں سے کچھ روحانی اور کچھ جسمانی نوعیت کے ہیں۔ روحانی میں سے ، کچھ دوسروں کے مقابلے میں اپنے وجود کی ترتیب میں زیادہ روحانی ہیں۔ یہ حکمت الٰہی کی طرف سے حاصل ہونے والی مہربانی ہے کیونکہ خدا نے آپ کی آنکھوں کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود اس کے اندر دنیا، آسمانوں اور زمین کی تصویر ان کی وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تصویر ہے۔ پھر یہ احساس کے دائرے میں وجود سے تخیل میں وجود کی طرف جاتا ہے، اور اس سے دل میں وجود کی طرف جاتا ہے۔ کیونکہ تم اس چیز کو کبھی نہیں سمجھ سکتے جو تم تک پہنچی ہے اور اگر اس نے تمہارے وجود میں ساری دنیا کی تصویر نہ رکھی ہوتی تو تمہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا جو اپنے آپ سے الگ ہے۔ وہ شان ہے جس نے ان عجائبات کو دل اور آنکھوں میں ترتیب دیا اور پھر دل اور آنکھوں کو ان کے ادراک سے اندھا کر دیا تاکہ مخلوقات کی اکثریت کے دل اپنے آپ اور ان کے عجائبات سے بے خبر ہو گئے۔

آئیے اب اس مقصد کی طرف واپس جائیں اور کہتے ہیں: "یہ قابل تصور ہے کہ دنیا کی اصل فطرت دل میں ظاہر کی جا سکتی ہے، ایک بار حواس سے اور ایک بار محفوظ لوح سے، یہاں تک کہ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ سورج کی تصویر آنکھ میں ایک بار براہ راست دیکھنے سے اور ایک بار اس پانی کو دیکھنے سے جس پر سورج چمکتا ہے جس کی عکاسی ہوتی ہے اس کی تصویر۔ چنانچہ جب بھی دل اور محفوظ لوح کے درمیان پردہ اٹھا لیا جاتا ہے تو دل اس میں موجود چیزوں کو دیکھتا ہے اور علم اس میں پھوٹ پڑتا ہے تاکہ اسے حواس کی راہوں سے اپنا علم حاصل نہ کرنا پڑے۔ یہ زمین کی گہرائیوں سے پانی کے پھٹنے کی طرح ہے۔ جب بھی دل حواس سے اخذ کردہ تخیل کی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے، تو یہ اسے محفوظ شدہ لوح کی جانچ پڑتال سے روکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے جب پانی کو ندی نالوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، اس طرح اسے زمین سے پھٹنے سے روکا جاتا ہے۔ یا جس طرح وہ پانی میں دیکھتا ہے جو سورج کی تصویر کی عکاسی کرتا ہے، وہ خود سورج کی طرف نہیں دیکھ رہا ہے۔

اس طرح دل کے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ غیب کی سلطنت کی طرف کھلتا ہے جو محفوظ تختی اور فرشتوں کی دنیا ہے۔ دوسرا دروازہ پانچ بیرونی حواس کی طرف کھلتا ہے جو مرئی مادی دنیا کو پکڑتے ہیں۔ یہ مرئی دنیا بھی ایک حد تک غیب کے غلبے سے مشابہت رکھتی ہے۔ اب یہ حقیقت کہ حواس کے ذریعے علم کے حصول کے لیے دل کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جسے آپ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے دروازے کے بارے میں جو غیب کی سلطنت اور محفوظ لوح کی جانچ پڑتال کے لئے کھلتا ہے، آپ کو خواب کے عجائبات پر غور کرنے اور نیند میں دل کے مشاہدے کے ذریعے کچھ علم حاصل ہے کہ مستقبل میں کیا ہوگا یا ماضی میں کیا تھا، حواس کی طرف سے کسی حصول کے بغیر۔

تاہم ، یہ دروازہ صرف اس شخص کے لئے کھلا ہے جو اپنے آپ کو خدا کے ذکر کے لئے وقف کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یکطرفہ سوچ رکھنے والے لوگوں نے قیادت کی ہے۔ اس سے پوچھا گیا: یہ کون ہیں؟ فرمایا جو لوگ اللہ کی یاد میں اس نماز کے سبب سے دیکھتے ہیں ان سے ان کے گناہوں کا بوجھ اتار دیا

گیا ہے اور وہ قیامت کے دن بے درد ہو کر آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ بیان بیان کرتے ہوئے فرمایا: "پھر میں اپنا منہ ان کے قریب آؤں گا۔ کیا تم اس بات کے بارے میں سوچتے ہو کہ کوئی جانتا ہے کہ میں اس کو کیا دینا چاہتا ہوں جس کی طرف میں اپنا چہرہ پھیرتا ہوں؟" پھر فرمایا میں انہیں سب سے پہلے یہ دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں اپنے نور میں سے کچھ ڈالتا ہوں اور وہ بھی میری خوشخبری سناتے ہیں جس طرح میں ان کی خوشخبری سناتا ہوں۔ (یہ روایت حدیث کے مجموعے صحیح مسلم، الحکیم، بیہقی اور طبرانی سے صحابہ کرام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے)۔

ان خبروں کا داخلی دروازہ اندرونی دروازہ ہے۔ اس کے بعد انبیاء اور اولیاء کے علم اور علماء اور فلسفیوں کے علم میں فرق ہے: اول الذکر کا علم دل کے اندر سے اس دروازے کے ذریعے آتا ہے جو غیب کی سلطنت کی طرف کھلا جاتا ہے، جبکہ فلسفیوں کا علم ان حواس کے دروازوں سے آتا ہے جو مادی دنیا کے لیے کھلتے ہیں۔ دل کی دنیا کے عجائبات اور مرئی اور غیر مرئی دنیاؤں کے درمیان اس کے متزلزل ہونے کو عملی مذہب کی سائنس میں مکمل طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک ایسی مثال ہے جو آپ کو دو قسم کے علم کے داخلے کی جگہ میں فرق سکھائے گی۔

دوسری مثال آپ کو دو قسم کے کام کے مابین فرق بتائے گی۔ میرا مطلب ہے علماء کا کام اور سنتوں کا کام۔ علم خود علم حاصل کرنے اور اسے دل میں جمع کرنے کا کام کرتے ہیں، لیکن صوفیوں میں سے اولیاء صرف دل کو پالش کرنے، صاف کرنے، صاف کرنے اور صاف کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ یہ روایت ہے کہ ایک بار چینی اور بازنطینی یونانیوں نے آرٹ اور مصوری میں اپنی کاریگری کی خوبصورتی کے بارے میں ایک خاص بادشاہ کے سامنے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ لہذا بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ وہ ان کے حوالے ایک پورٹیکو دے تاکہ چینی اس کے ایک طرف اور بازنطینی یونانیوں کو دوسری طرف سجا سکیں اور ان کے درمیان ایک پردہ لٹک جائے تاکہ ہر گروہ دوسرے کو دیکھنے سے روکا جا سکے۔ بازنطینی اپنے ساتھ بے شمار خوبصورت رنگ لے کر آئے لیکن چینی بغیر کسی رنگ کے داخل ہوئے اور اپنے پہلو کو پالش کرنے اور اسے سجاونے لگے۔ جب بازنطینیوں نے کام ختم کیا تو چینیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی ختم ہو چکے ہیں۔ بادشاہ ان کے بیان پر حیران رہ گیا اور جس طرح سے انہوں نے بغیر کسی رنگ کے کام کیا اور سجایا تھا۔ تو ان سے پوچھا گیا: "آپ نے بغیر کسی رنگ کے کام کیسے مکمل کیا؟" انہوں نے جواب دیا: "تمہارا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بس پردہ اٹھا دو۔" چنانچہ اسے اٹھا لیا گیا اور دوسری طرف بازنطینی مہارت کے عجائبات مزید روشنی اور چمکدار چمک کے ساتھ چمکتے ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف بہت زیادہ فرنشنگ کی وجہ سے پالش شدہ آئینے کی طرح بن گیا تھا۔ اس طرح ، ان کے پہلو کی خوبصورتی اس کی اضافی وضاحت سے بڑھ گئی جو دوسری طرف کی خوبصورتی کو شاندار طور پر ظاہر کرتی تھی۔ دل کو صاف کرنے، پالش کرنے، پاک کرنے اور صاف کرنے میں سنتوں (یا گنوسٹکس) کی دیکھ بھال اس وقت تک کہ حقیقت کی حقیقی نوعیت انتہائی روشنی کے ساتھ واضح طور پر روشن نہ ہو چینیوں کے کام کی طرح ہے۔ علم کے حصول اور آرائش کے بارے میں علماء اور فلسفیوں کی دیکھ بھال اور دل میں اس زینت کی نمائندگی بازنطینیوں کے کام کی طرح ہے۔

لیکن جو کچھ بھی ہو، مومن کا دل کبھی نہیں مرتا، اور نہ ہی اس کا علم موت کے وقت مٹا دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کی وضاحت کو دھندلا دیا جاتا ہے۔ اس کی طرف امام حسن نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ خاک ایمان کی کرسی کو کھا نہیں جائے گی۔ یہ علم رسائی کا ایک ذریعہ ہے جو انسان کو خدا کے قریب کھینچتا ہے۔ لیکن دل نے خود علم سے جو کچھ حاصل کیا ہے، یا جو کچھ اس نے دل پر لکھنے والے علم کو حاصل کرنے کی پاکیزگی اور صلاحیت حاصل کی ہے، وہ اسے مزید علم سے دستبردار ہونے کے قابل نہیں بناتا۔ صوفیانہ علم سیکھنے کے علاوہ کسی کے لیے کوئی خوشی نہیں ہوتی اور خوشی کے کچھ درجات دوسروں سے زیادہ افضل ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے پیسے کے بغیر دولت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جس کے پاس *ایک درہم ہے* وہ دولت مند ہے اور جس کے پاس بھرے ہوئے خزانے ہیں وہ دولتمند ہے [ابدی] خوشی کے درجات کے درمیان فرق ان کے صوفیانہ علم اور ایمان کے فرق کے مطابق ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دولت مند افراد کے درجوں کے درمیان فرق ان کے پیسوں کی کمی اور کثرت کے مطابق ہے۔

اس مقام پر اس مقالے کا پہلا حصہ جو انسانی زندگی کے اصل مقصد کی وضاحت اور ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے حصول سے متعلق ہے، اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اب اس مقالے کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔

دوسرا حصہ: انسانی زندگی کے حقیقی مقصد تک پہنچنے اور ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کے حصول کے راستے کی وضاحت

غزالی کی مختلف عظیم کتابوں کے انتخاب جو اس مقالے کے پہلے حصے میں پیش کیے گئے ہیں، زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول اور اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے طریقوں کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔ اس مقالے کے تیسرے حصے میں اس مقصد کے لیے بے پناہ فائدہ اٹھانے والی مختلف کتابوں کی فہرست دی جائے گی، جن میں سے تقریبا تمام غزالی نے تصنیف کی ہیں، جن کا مطالعہ صحیح راستے کی بے پناہ تفہیم اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس مقالے کے اس دوسرے حصے میں ایک نبوی روایت اور ایک عظیم عرفان کی روایت پیش کی جائے گی جو زندگی کے حقیقی مقصد کی ادراک اور ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے حصول کی طرف لے جاتی ہے۔ پیغمبرانہ روایت اس عظیم روحانی راہ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی وضاحت کرتی ہے اور روایت اپنے آخری مقصد تک پہنچنے کے طریقے کی وضاحت کرتی ہے۔ غزالی نے اپنی آخری کتاب "*منہاج العابدین الا جنت رب* العالمین" یا "خدا کے بندوں کے لیے بہترین راستہ" یا "خدا کے عبادت کرنے والوں کے لیے بہترین راستہ" اور اپنی حکمت کے مجموعے "*احیاء العلوم الدین*" یا "خدا کی راہ کی معرفت کا احیاء" کی تیسری جلد میں اس نبوت کا ذکر کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے خالد بن مدان رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ان کے سامنے ایک حدیث بیان کریں جسے وہ اس کی سختی اور سختی کی وجہ سے روزانہ یاد کرتے اور پڑھتے رہے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن وہ کافی دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا:

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کی کتنی بے صبری سے آرزو کرتا ہوں!

ایک مرتبہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ وہ اونٹ پر سوار تھے اور وہ مجھے اپنے پیچھے بیٹھنے کے لیے لے گئے۔ جب ہم آگے بڑھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو اپنے بندوق کو اپنی مرضی کے مطابق حکم دیتا ہے۔ پھر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتا رہا ہوں، اگر تم اسے یاد کرو گے تو اس سے تمہارا فائدہ ہوگا، لیکن اگر تم اسے بھول جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری کوئی دلیل نہیں ہوگی۔

معاذ! آسمانوں کی تخلیق سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے سات فرشتے پیدا کیے، ہر آسمان کے لیے ایک اور دروازے کے طول و عرض کے مطابق آسمان کے ہر دروازے پر ایک فرشتہ کو محافظ مقرر کیا۔ جب دو فرشتے *کرمان کتیبین*' (دو فرشتے جو ہر انسان کے دو کندھوں پر ہوتے ہیں اور اچھے یا برے تمام اعمال لکھتے ہیں) بندوں کے اعمال کے ساتھ اٹھتے ہیں تو ان میں سورج کی روشنی کی طرح روشنی ہوتی ہے۔ جب وہ پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچتے ہیں تو وہاں پہرہ دینے والا فرشتہ *کرمان کتیبین*' (ہر انسان کے محافظ فرشتے) سے کہتا ہے کہ وہ اس عمل کو بندے کے منہ پر ڈال دے۔ فرشتہ کہتا ہے: میں غیبت کا فرشتہ ہوں۔ اے میرے رب اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں غیبت کرنے والے کا کام بڑھنے نہ دوں

'*کیرمن کٹی بین*' ایک بار پھر خادم کے کچھ اور اعمال کے ساتھ دوسری آسمان پر چڑھتی ہے جو سورج کی روشنی کی طرح چمکتی ہے۔ فرشتہ انہیں وہیں روکتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ اس عمل کو نوکر کے چہرے پر پھینک دیں، کیونکہ اس عمل سے اس کا مقصد دنیاوی وسائل کمانا تھا۔ میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی اور کے لیے کام کرنے والے شخص کے کام کو قبول نہ کروں۔ اس کے بعد فرشتے شام تک اس پر لعنت کرتے ہیں (اس کے لیے عربی لفظ "*لانا*" ہے جس کا مطلب ہے خدا کو اپنے بندے سے اس کی رحمت روکنے کے لیے دعا کرنا)۔

پھر فرشتے بندے کے دوسرے اچھے اعمال جیسے خیرات ، روزے اور دیگر نیک اعمال کے ساتھ اٹھتے ہیں جنہیں وہ بہت نیک اور قیمتی سمجھتے ہیں۔ لیکن جب وہ تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں تو محافظ فرشتہ انہیں روکتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ اعمال کرنے والے کے چہرے پر ڈالیں۔ [محافظ] فرشتہ کہتا ہے کہ وہ 'فخر' کا فرشتہ ہے۔ اسے اس کے رب کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اعمال کو اوپر نہ جانے دے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اعمال کے ذریعے اپنی فضیلت کو دوسروں پر ظاہر کرے۔

'کیرمن کتٰبیین' ایک بار پھر اس بندے [خدا] کے کچھ اور [اچھے] اعمال کے ساتھ اٹھتا ہے جو ستاروں کی طرح چمکتا ہے۔ ان میں نماز، حج، *تسبیح*، روزے وغیرہ جیسے خوبصورت اعمال شامل ہیں۔ جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو ، محافظ فرشتہ انہیں روکتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ اعمال کرنے والے کے چہرے پر پھینک دیں۔ فرشتہ ان سے کہتا ہے: میں 'راستبازی' کا فرشتہ ہوں اور میرے رب کی طرف سے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اعمال [خدا کی طرف] بلند نہ ہوں جس طرح کرنے والے نے اپنے اعمال کو خود راستبازی کے ساتھ ملاوٹ کیا ہے۔

پھر فرشتے اس کے دوسرے نیک اعمال کو دلہن کی طرح سجاتے ہیں جن میں حج (یا حج)، خدا کی راہ میں جہاد وغیرہ شامل ہیں جو سورج کی طرح چمکتے ہیں۔ وہ انہیں پانچویں آسمان پر لے جاتے ہیں۔ محافظ فرشتہ [پانچویں آسمان کے دروازے پر] انہیں یہ کہتے ہوئے روکتا ہے: میں 'حسد' کا فرشتہ ہوں۔ عمل کرنے والا ان لوگوں سے حسد کرتا ہے جن کو خدا نے اپنی رحمت سے عطا کیا ہے۔ آدمی خدا کی طرف سے [اپنے ساتھی انسانوں کو] عطا کرنے سے خوش نہیں ہے۔ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں۔

پھر فرشتے اپنے اعمال جیسے وضو، مکمل تطہیر، نماز، روزہ، حج وغیرہ کے ساتھ چھٹے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ وہاں تعینات محافظ فرشتہ ، انہیں یہ کہتے ہوئے روکتا ہے: میں 'رحمت' کا فرشتہ ہوں۔ اپنے اعمال کو اس کے چہرے پر ڈال دو کیونکہ اس نے کبھی کسی پر رحم نہیں کیا وہ دوسروں کو مصیبت اور بدقسمتی میں دیکھ کر خوش ہوا۔ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے اعمال کو بلند نہ ہونے دوں

اس کے بعد *'کرمان کتیبین'* اس شخص کے کچھ اور اعمال کے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھ جاتی ہے جن میں صدقہ، نماز، روزہ، خدا کی راہ میں جہاد، *'تقویٰ'* وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اعمال گرج چمک اور بجلی کی طرح اونچی آوازیں دیتے ہیں۔ ساتویں آسمان پر موجود فرشتہ کہتا ہے: میں 'شہرت اور دکھاوا' کا فرشتہ ہوں۔ اس شخص نے علمائے کرام اور عہدے و منصب و عزت کے حامل افراد کی صحبت اور مجالس میں نقل و حرکت کے اپنے کاموں سے شہرت حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس آدمی کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں۔

چنانچہ وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں کیا گیا ہے وہ *ریا* ہے اور وہ ایسے اعمال کو قبول نہیں کرتا۔ اس کے بعد فرشتے اپنے نیک اعمال جیسے نماز، روزے، *زکوٰۃ*، حج، *عمرہ*، خوش اخلاق، خاموشی، اللہ کا ذکر وغیرہ کے ساتھ اٹھتے ہیں۔ ساتویں آسمان کے فرشتے ان کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عدالت الٰہی میں پہنچ جاتے ہیں جہاں تمام پردے ہٹا دیے جاتے ہیں اور وہ خدا کے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ اس بندے کے اعمال صرف خدا کی خاطر ہیں۔

اس لمحے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم فرشتے ان بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال کرتے ہو لیکن میں ان کے دل کا خیال رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ان اعمال سے وہ میری رضا حاصل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی وہ صرف میری خاطر کرتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے اپنے اعمال سے واقعی کیا ارادہ کیا تھا۔ میری *رحمتوں* سے محرومی اس پر ہو کہ اس نے تمہیں اور لوگوں کو بھی دھوکہ دیا۔ لیکن وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دلوں کی چھپائی ہوئی باتیں اچھی طرح جانتی ہیں۔ مجھ سے کوئی پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور نہ میری گرفت سے بچ سکتا ہے اگرچہ وہ مجھ سے دور ہونے کی کوشش کرے مجھے اس بات کا پورا علم ہے کہ ماضی میں کیا ہوا ہے اور مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ میرا علم ان تمام لوگوں کا احاطہ کرتا ہے جو گزر چکے ہیں اور جو ابھی آنے والے ہیں۔ میں ان کی مکمل تفصیلات کے ساتھ تمام رازوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ اس کے اعمال سے مجھے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میرا بندہ جاہلوں کو دھوکہ دے سکتا ہے اور مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا بے شک میں غیب کا جاننے والا ہوں اس لیے میں اپنی رحمت سے محرومی کو اس پر بھیجتا ہوں۔ سات

[محافظ] فرشتے [جو سات آسمانوں کے دروازوں کی حفاظت کرتے ہیں] اور تین ہزار فرشتے سب اس پر اپنا '*لانا*' بھیجتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے رہنے والے کہتے ہیں کہ اسی پر ان کی لعنت ہے اور ایسے دھوکے باز پر لعنت ہے۔

یہ تمام تفصیلات سن کر معاذ رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے: یا رسول اللہ! اس آفت سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! اپنے نبی کی پوری ایمان اور ایمان کے ساتھ اطاعت کرو۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اللہ کے رسول ہو اور میں معاذ بن جبل ہوں۔ میں نجات کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! اور اگر تمہارے اعمال ٹھیک نہ ہوں تو اپنی زبان کو دوسروں کو برا بھلا کرنے اور دوسروں کو رسوا کرنے سے بچ لو خاص طور پر اپنے بھائیوں اور *حفاز*" (جنہوں نے پورے قرآن مجید کو دل سے لکھا ہے)۔ اپنے بھائیوں اور دوسرے لوگوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ اپنے برے نفس کو چھوڑ دو (*نفس*)، دوسروں کی بے عزتی کرنے سے گریز کریں۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں برا کہہ کر اپنے نفس کی حمد نہ کرو۔ دوسروں کو نیچا دکھا کر اپنی برتری قائم کرنے کے بارے میں کبھی نہ سوچیں۔ شہرت کمانے کے لیے دکھاوے کا سہارا نہ لیں۔ دنیا کے معاملات میں اس قدر مشغول نہ ہو کہ آخرت کے معاملات سے مکمل طور پر غافل ہو جاؤ۔ اگر کوئی آپ کے ساتھ بیٹھا ہے تو تیسرے شخص سے خفیہ طور پر بات نہ کریں۔ اور لوگوں پر اپنی فضیلت کا اظہار نہ کرو ورنہ تمہارا اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ اپنی مجلسوں میں بے حیائی اور فحاشی کے موضوعات پر بات کرنے سے پرہیز کرو ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کی بدتمیزی کی وجہ سے آپ سے بچ جائیں۔ اپنی زبان سے دوسروں کی عزت کو نقصان نہ پہنچائیں ورنہ جہنم کے کتے تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَٱلنَّـٰشِطَـٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾

"اور جب وہ ہڈیوں کا گوشت پھاڑ دیتے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ سورۃ البقرۃ آیت 2)

پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان تمام احکامات پر عمل کرنے کی صلاحیت کون رکھتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بندے کے لیے عمل آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ سہولت فراہم فرمائے۔ دوسروں کے لئے وہ چیز ناپسند کرتے ہیں جو آپ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ [اس طرح کے اعمال آپ کو آپ کی نجات دے سکتے ہیں]۔" (حافظ عراقی نے کیا ہے *غزالی کی"* احیئ علوم الدین" یا "راہ خدا کی راہ کی احیاء" میں موجود تمام *احادیث* کی حدیث کی *تصدیق* ہے اور اس نبوی روایت کے ماخذ کو *"کتاب الزہد لی ابن المبارک"* یا "ابن المبارک کی بے بنیاد خواہشات سے پرہیز کی کتاب" اور *"ابن الجوزی فی الموضوعات" قرار دیا* گیا ہے۔

خالد بن معادن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ معاذ نے قرآن مجید کی اتنی تلاوت نہیں کی جتنی اس حدیث کی تلاوت کی۔ آپ اپنی محفلوں میں اکثر اس حدیث کا تذکرہ کرتے تھے۔

دل خوف اور گھٹن سے کانپ جاتے ہیں اور اس حدیث میں بیان کردہ تنبیہات اور بڑے خطرات کے بارے میں سوچ کر ذہن پریشان ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ خدا کی پناہ اور پناہ مانگیں اور اپنے آپ کو اس کے دروازے پر روتے ہوئے اور تمام عاجزی اور اطاعت میں دن رات روتے رہیں۔ اس عذاب سے تمہیں اللہ کی رحمت کے سوا کوئی بچایا نہیں آپ خدا کی شفقت کی نگاہ کے بغیر اس سمندر کو عبور نہیں کر سکتے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ غفلت کی نیند سے اٹھیں، زندگی کے مقصد اور مقصد کو سمجھیں اور اس خوفناک وادی میں نفس کے خلاف بہادری سے جدوجہد کریں، تاکہ تم آخرت میں نجات حاصل کرو اور ان لوگوں کے ساتھ نہ جاؤ جو نقصان اور بربادی کا شکار ہیں۔ اور اللہ ہی کی طرف سے مدد ملے گی اور وہ بڑا مہربان ہے

اب یہاں ایک اہم روایت پیش کی جائے گی جس میں زندگی کے مقصد کے حصول کا راستہ بیان کیا گیا ہے۔ غزالی نے اپنی کتاب "*ایوحل ولد*" یا "میرے پیارے بیٹے" میں اس روایت کا تذکرہ کیا ہے جو غزالی کی تین جلدوں پر مشتمل مختصر کتابوں کے مجموعے "*مجمع رسا الامام غزالی*" یا "امام غزالی کی مختصر کتابوں کا مجموعہ" میں موجود ہے[12]:

کہا جاتا ہے کہ طالب علموں اور *مریدین میں* جو ایک روحانی مرشد کی رہنمائی میں اپنی روحوں کو تمام بری خواہشات اور رجحانات سے پاک کرنے کے حصول کے ذریعے روحانی کمال اور روشن خیالی کے طالب علم ہیں جس نے تربیت اور ہدایت کے ذریعے خدا کے سامنے روح کی یہ تزکیہ اور اعلیٰ مقام مکمل طور پر حاصل کیا ہے۔ شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد اور شاگرد تھے جن کا نام حاتم اکرم رحمۃ اللہ علیہ تھا جو بعد میں شیخ شقیق کی روحانی تربیت اور رہنمائی سے ایک عظیم روحانی مرشد بن گئے۔ ایک دن شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اے حاتم! کتنے عرصے سے میری صحبت (روحانی قربت) میں ہوں اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے سن رہا ہوں؟

شیخ حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تینتیس سال!

شیخ شقیق بلخی نے پوچھا:

"اس طویل عرصے میں، تمہیں مجھ سے کیا فائدہ ہوا ہے؟"

شیخ حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"[میں] نے [آپ سے] آٹھ فوائد حاصل کیے ہیں۔"

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انا للہ و انا الائے راجعون۔"

"ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تدریس اور تربیت میں گزاری ہے اور آپ نے مجھ سے صرف آٹھ فوائد حاصل کیے ہیں؟"

شیخ حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے میرے استاد! اگر تم نے مجھ سے سچ پوچھا تو حقیقت وہی ہے جو میں نے تم سے کہی تھی۔ مجھے مزید [فوائد] کی ضرورت نہیں ہے اور علم سے حاصل ہونے والے یہ فوائد کافی ہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میں ان آٹھ فوائد کے ذریعے دنیا اور آخرت کی زندگی میں نجات اور کامیابی حاصل کروں گا۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا:

"ٹھیک ہے! مجھے بتائیں ، وہ آٹھ فوائد کیا ہیں؟"

حاتم بن ازم کے بیان کردہ فوائد

"اے میرے استاد! **پہلا فائدہ** یہ ہے کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ ان میں سے بعض (یعنی محبوب) ان کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی بیماری جو موت لاتی ہے، ان میں سے کچھ مرنے تک ان کے ساتھ رہتے ہیں، کچھ ان کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ قبروں تک پہنچ جاتے ہیں، اور دفن کرنے کے بعد تمام محبوب وہاں سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ان کا کوئی بھی محبوب ان کے ساتھ قبروں میں نہیں جاتا تاکہ وہاں ان کے ساتھ رہ سکے اور ان کی صحبت [اندھیرے ، تنہائی ، تنگ نظری اور وحشت میں] ان کی صحبت فراہم کرے۔ میں نے اس پر غور کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ صرف وہی ایک اچھا محبوب ہے جو قبر میں ان کے ساتھ جاتا ہے اور اپنے عاشق کے ساتھ رہتا ہے، جو صحبت فراہم کرے گا، جو قبر کو روشن کرے گا، جو قیامت اور اس کی منزلوں پر شریک ہو گا (قیامت تک دفن ہونے کے بعد جن مقامات سے گزرتا ہے)۔ میں نے دیکھا کہ صرف ایک ہی محبوب جس میں یہ [اچھی] صفات ہیں وہ میرے نیک اعمال ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنا لیا تاکہ وہ میری قبر میں میرے ساتھ چلے جائے، مجھے اپنی صحبت فراہم کرے، میری قبر میں روشن شمع بن جائے، آخرت کی زندگی کے تمام مراحل میں میرا ساتھی رہے گا اور مجھ سے کبھی الگ نہ ہو گا۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شاباش اے حاتم! آپ نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ اب دوسرا فائدہ بیان کیجئے۔

"اے میرے استاد! **دوسرا فائدہ** یہ ہے کہ میں نے دنیا کے لوگوں کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ ہر کوئی نفس کی لذتوں اور خواہشات کی پیروی کر رہا ہے اور ہر کوئی ادنیٰ نفس کی خواہشات کے تابع ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے مندرجہ ذیل آیت (قرآن) پر غور کیا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾
فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾

"لیکن جو شخص اپنے پالنے والے کی موجودگی سے ڈر کر کھڑا ہو کر اپنے نفس کو حقیر خواہشات سے روکا ہے تو جنت اس شخص کے لیے آرام کی جگہ ہو گی۔" (سورۃ البقرۃ باب 79، آیہ 40-41)

میں نے یہ یقین پیدا کیا کہ قرآن کریم صحیح ہے اور اللہ کی کتاب حق ہے۔ پھر میں نے اپنے نفس کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا اور اس کی مخالفت کرنے کا عزم کر لیا۔ میں نے اسے (یعنی اپنی نچلی نفس) اس شکل میں ڈھال لیا کہ میں نے اس کی کسی بھی خواہش کو پورا نہیں کیا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون اور اطمینان حاصل کرنے لگا۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے اعمال میں اپنی نعمتیں عطا فرمائے۔ اب تیسرا فائدہ بیان کیجئے۔

"اے میرے استاد! **تیسرا فائدہ** یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو میں نے دیکھا کہ ہر شخص بڑی تکلیف اور محنت کے ساتھ اس فانی دنیا کی جائیدادوں (پیسہ، دولت، سامان) کو جمع کرنے میں مصروف ہے اور بہت خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سارے سامان اور مادی اثاثے ہیں۔ لیکن جب میں نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کیا:

مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ ۖ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ بَاقٍ ۗ

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب ۱۶ آیت ۹۶)

پھر جو کچھ بھی میں نے دنیا میں جمع کیا وہ سب خدا کی راہ میں خرچ کر کے اسے متقی مسکینوں اور بھکاریوں میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ (وہ مادی مال جو میں نے خدا کی راہ میں تقسیم کیا تھا) میری امانت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو جائے اور بے پناہ بھلائی اور فدیہ کا ذریعہ بن جائے آخرت کی زندگی میں نجات ہے۔"

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے حاتم! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا اجر عطا فرمائے۔ آپ نے بہت اچھی بات کہی ہے اور بہت اچھا کام کیا ہے۔ اب چوتھا فائدہ بیان کیجئے۔

"اے میرے استاد! **چوتھا فائدہ** یہ ہے کہ میں نے دنیا کے لوگوں کی طرف دیکھا اور دیکھا کہ ان میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شان و شوکت اور عزت اس قوم یا قبیلے (گروہ کی) کی ہے جو بڑا اور طاقتور ہے، اسی لیے وہ اپنے قبیلے (قوم یا گروہ) پر فخر کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شان و شوکت دولت اور مال، خاندان اور رشتہ داروں کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے، اسی لیے بعض لوگ اپنے مال و اولاد پر فخر کا اظہار کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی شان و شوکت غصے کا مظاہرہ کرنے، مار پیٹنے، قتل، قتل اور لوٹ مار میں ہے اور وہ اس پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی شان و شوکت فضول خرچی میں ہے اس لیے وہ اپنے فضول خرچی کو اعزاز کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس آیت پر غور کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ

"بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب ۴۹، آیت ۱۳)

چنانچہ یہ صحیح اور حق ہے اور مخلوق کے خیالات جھوٹے اور غلط قیاس آرائی ہیں۔ اسی لیے میں نے *تقویٰ* اختیار کیا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ ترین درجے کا شمار کروں۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے حاتم! اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔ آپ نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ اب پانچواں فائدہ بیان کرو۔

"اے میرے استاد! **پانچواں فائدہ** یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کے بارے میں شکایت کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ یہ سب حسد، حسد اور دشمنی کی وجہ سے کر رہے تھے اور اس کی بنیادی وجہ عظمت، عظمت، مال، دولت اور علم کی خواہش اور مقابلہ ہے۔ میں نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کیا جس میں ارشاد ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۚ

"*ہم ہی ہیں جو دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان رزق تقسیم کرتے ہیں۔*" (سورۃ البقرۃ باب 43 آیت 32)

پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے ہی اموال اور درجات مقرر کیے ہیں اور اس معاملے میں کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے کسی سے مقابلہ نہیں کیا اور نہ ہی حسد کیا اور خدا کی تقسیم اور اس کی تقدیر پر راضی رہا اور پوری دنیا کے ساتھ مل گیا۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے حاتم! آپ سچ کہہ رہے ہیں اور آپ صحیح کام کر رہے ہیں۔ اب چھٹا فائدہ بیان کرو۔

"اے میرے استاد! **__چھٹا فائدہ__** یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے کسی اور سے دشمنی کر رہا ہے۔ پھر میں نے مندرجہ ذیل آیت پر غور کیا:

إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ

"بے شک *شیطان* تمہارا دشمن ہے پس اسے اپنا دشمن سمجھو۔" (سورۃ البقرۃ باب 35 آیت 6)

اس کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ خدا کا قول سچا ہے، مجھے شیطان کے سوا کسی اور سے دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بعد سے میں شیطان کو اپنا دشمن سمجھتا تھا اور اس کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کرتا تھا۔ اس کے بجائے، میں نے [خدا] کی اطاعت پیدا کی اور خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا اور صرف اس کی عبادت اور غلامی کو اپنایا۔ سیدھا راستہ *سیرت المستقیم* ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

"کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا کہ اے بنی آدم! شیطان کا کبھی کہا نہ مانو - بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور میری ہی عبادت کرو (بے شک یہی سیدھا راستہ ہے) (سورۃ البقرۃ باب 36، آیت 60)

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے حاتم! آپ نے بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات کہی۔ اب ساتواں فائدہ بیان کرو۔

"اے میرے استاد! **ساتواں فائدہ** یہ ہے کہ میں نے لوگوں کی طرف دیکھا اور دیکھا کہ ہر شخص اپنی روزی روٹی اور رزق کی تلاش میں مصروف ہے اور بہت محنت میں مصروف ہے۔ اس لحاظ سے وہ *حلال* اور *حرام میں فرق بھی نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور* حرام کمائی سے *ذلیل ہو رہا* ہے۔ پھر میں نے مندرجہ ذیل آیت پر غور کیا:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا

"اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی رزق اللہ کی ذمہ داری نہ ہو۔" (سورۃ البقرۃ القرآن، باب 11، آیت 6)

پھر میں نے یہ یقین کر لیا کہ حکمت قرآن حق ہے اور صحیح ہے اور میں بھی ان جانداروں میں سے ہوں جو زمین پر موجود ہیں۔ چنانچہ میں نے خدا کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یہ یقین پیدا ہو گیا کہ وہ میرے لیے رزق لے کر آئے گا کیونکہ اس نے مجھے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ نے بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات کہی۔ اب آٹھواں فائدہ بیان کیجئے۔

"اے میرے استاد! **آٹھواں فائدہ** یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا انحصار [یا اعتماد] کسی نہ کسی چیز پر ہے۔ کچھ کو اپنی [مادی] املاک پر بھروسہ ہے ، کچھ دوسرے لوگوں پر بھروسہ کرتے ہیں [یا انحصار کرتے ہیں]۔ چنانچہ میں نے اس مقدس آیت پر غور کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ

"اور جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے اس کے لیے وہی کافی ہے۔" (سورۃ البقرۃ باب 65، آیت 3)

وہوا حسبی و نعم الوکیل۔

"اور وہ میرے لیے کافی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔"

چنانچہ میں نے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کیا۔

شیخ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان آٹھ فوائد کو سنا تو فرمایا:

"اے حاتم! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی *توفیق* عطا فرمائے ۔ آپ نے بہت اچھی باتیں کہی ہیں۔ میں نے *تورات*، *انجیل* (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل)، زبور (زبور) میں دیکھا ہے اور صحیح اور باطل کے درمیان قابل تعریف فرق (یعنی قرآن حرام) میں دیکھا ہے کہ ان تمام کتابوں میں ان آٹھ فوائد کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیمات میں یہ آٹھ فوائد بتائے ہیں۔ جو شخص ان [آٹھ اصولوں] پر عمل کرتا ہے وہ گویا اس نے چاروں [مقدس] کتابوں پر عمل کیا ہے۔

زندگی کے مقصد کے حصول اور ابدی خوشی کے حصول کے راستے پر چلنے کے فوائد

اس مقام پر ، یہ واضح ہے کہ زندگی کا اصل مقصد خدا کی گنوسس ("*معارفہ*") کو حاصل کرنا ہے جو بدلے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کا باعث بنتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے جدوجہد کرنے اور ابدی خوشی کی طرف جانے والے راستے پر چلنے کے کیا فائدے ہیں؟ ایک بار پھر اس اہم سوال کا جواب دینے کے لیے غزالی کے کاموں سے مدد لی جائے گی۔ غزالی نے اپنی آخری کتاب "*منہاج العابدین الا جنت رب العالمین*" یا "خدا کے عبادت کرنے والوں کے لیے بہترین راستہ جو انہیں تمام کائنات و وجود کے رب کی جنت کی طرف لے جائے" یا مختصر عنوان "خدا کے عبادت کرنے والوں کے لیے بہترین راستہ" کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ راستہ اپنی چوڑائی اور لمبائی میں دنیا کے ان راستوں کی طرح نہیں ہے جو طاقت یا کمزوری کے ساتھ چلتے ہوئے طے کیے جاتے ہیں۔ یہ ایک روحانی سفر ہے جو دلوں (روحوں) کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ حکمت اور غور و فکر، یقین اور بصیرت کی مدد سے مکمل ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد آسمانی نور اور الٰہی نگاہ ہے۔ اگر وہ کسی پر گرتے ہیں تو دونوں جہانوں کے راز اس کے سامنے واضح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

کبھی کبھی سو سال تک تلاش کرنے کے بعد بھی روشنی دستیاب نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی تلاش میں بہت سی غلطیاں اور خامیاں ہوتی ہیں۔ یہ نور کبھی پچاس سال میں حاصل ہوتا ہے، کبھی دس سال میں۔ کچھ خوش نصیب افراد اسے صرف ایک گھنٹے میں نہیں بلکہ ایک دن میں خدا کی مدد سے حاصل کرتے ہیں جو نور کا مالک ہے۔ اس سب کے باوجود اللہ کے بندے کو اس راہ میں جدوجہد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اس حکم کی اطاعت کرے۔ حتمی نتیجہ تقدیر اور تقدیر پر منحصر ہے۔ آپ کے دل میں یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ خدا عادل ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہت مشکل معاملہ ہے اور خدا کے بندے کو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس ساری محنت اور محنت کا مقصد کیا ہوگا؟ میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ بالکل سچ ہے کہ راستے میں خوفناک خطرات ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

"بیشک ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی تھی پھر انہوں نے اس کو برداشت کرنے سے گریز کیا اور اس سے ڈرنے لگے اور انسان نے اسے قبول کر لیا۔ بے شک وہ ظالم اور احمق ثابت ہوا ہے۔ (سورۃ البقرۃ 33، آیت 72)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث *میں ارشاد* فرمایا :

لَوْ تَعْلَمُونَ ما أعلم لبكيتم كثيراً ولضحكتم قليلاً

"اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں کیا جانتا ہوں تو آپ بہت روئیں گے اور تھوڑا سا ہنسیں گے۔"

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے پسند ہے کہ مجھے گھاس کا بلیڈ ہونا چاہئے تھا جو کسی جانور نے کھا لیا ہوتا۔"

یہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے [دنیاوی کاموں میں گناہوں پر] عذاب کے خوف سے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کسی کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ حِينٌ مِّنَ ٱلدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْـًٔا مَّذْكُورًا ١

"انسان پر ایک زمانہ گزر چکا ہے کہ وہ کچھ بھی ذکر کرنے کے قابل نہیں تھا۔" (سورة البقرة سورة البقرة آیت 1)

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کاش زندگی اس حالت میں مکمل ہوتی!"

(اس نے یہ بات خدا کے خوف سے کہی تھی)۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"مجھے پسند ہے کہ میں اپنے گھر میں ایک مینڈھا ہوتا۔ میرا گوشت تقسیم ہو جاتا اور میرا سوپ کھایا جاتا اور یہ کہ میں بالکل بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں ان لوگوں سے حسد کرتا ہوں جو [حتیٰ کہ] پیدا نہیں ہوئے تھے۔"

آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ درحقیقت، یہ آپ کے تصور سے کہیں زیادہ مشکل اور خطرناک ہے۔ بہرحال یہ کام تخلیق کے آغاز میں ہی خدا کے علم میں مقرر کیا گیا تھا اور یہ وہ عظیم جاننے والا ہے جس نے یہ پروگرام اور طریقہ کار جاری کیا ہے۔

اس لیے خدا کے بندے کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ خدا کی خدمت اور عبادت میں سخت محنت کرے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اس کی حضور میں ہمیشہ فرمانبردار اور عاجز رہے، تاکہ وہ اس پر رحم کرے اور اسے ناکامی اور بربادی سے بچا سکے۔

میں نے اس موضوع پر گہرائی سے غور کیا کہ جب کوئی بندہ خدا کی عبادت اور خدمت کا اختیار کرتا ہے اور اپنی پوری زندگی اسی راستے پر چلتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چالیس قسم کے نعمتیں عطا کرتا ہے۔ دنیا میں بیس اور آخرت میں بیس۔ یہ [خدا کی گنوسس کی راہ پر چلنے کے لیے الہی نعمتیں] درج ذیل ہیں:

اول: خدا تعالیٰ خود انسان کی حمد کرتا ہے۔ آپ آسانی سے اس شخص کی راستبازی کا تصور کر سکتے ہیں جو خدا کی حمد کا موضوع ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی سربلندی کرتا ہے۔ اب سوچیں کہ خدا کی حمد و ثنا اور بلندی کا نشانہ بننا کتنا بڑا اعزاز اور فائدہ ہے!

تیسرا: اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ ایک آدمی کے لیے خدا کا محبوب ہونا کیسی بڑی نعمت اور اعزاز ہے!

چوتھا: اللہ تعالیٰ اس کے تمام مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔

پانچواں: اللہ تعالیٰ اس کا انتظام کرتا ہے کہ اس کا رزق بغیر کسی کام کے اس تک پہنچ جائے، اس کی طرف سے پریشانی کی تلاش کرو۔

چھٹا: اللہ تعالیٰ ہر دشمن اور دشمن کے خلاف اس کا مددگار اور محافظ بن جاتا ہے۔

ساتواں : اللہ تعالیٰ انسان کے دل کو خوش اور مطمئن رکھتا ہے [یہ وہ چیز ہے جو انسان کو حقیقی اندرونی سکون اور سکون اور اطمینان اور دل کی خوشی دیتی ہے]۔

آٹھواں : اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی عزت اور مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور دنیا کے لوگوں کی خدمت کی رسوائی سے بچ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا کے حکمران اور معززین بھی ان کی خدمت کریں۔

نواں : اللہ تعالیٰ اسے فراخ دل اور بہادر بناتا ہے۔ وہ دنیا یا اس کے لوگوں کی گندگی اور گندگی سے آلودہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے طرز عمل اور منفی اور بیکار سرگرمیوں کا خیال رکھتا ہے جس طرح عقلمند لوگ بچوں، مردوں اور عورتوں کی احمقانہ حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

دسواں : اللہ تعالیٰ اسے دل کی تسکین عطا فرماتا ہے۔ وہ دنیا میں عزت نفس کی ایک بہت ہی اعلی سطح کے ساتھ رہتا ہے [اور اس کے ساتھ آنے والا وقار]۔ اس کی فراخدلی کسی حادثے یا کسی چیز سے اس کی محرومی سے متاثر نہیں ہوتی ہے۔

گیارہویں : اللہ تعالیٰ اسے دل کا نور عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے وہ ان معاملات کے رازوں تک رسائی حاصل کرتا ہے جن تک دوسروں کو ان کی محنت اور محنت کے باوجود رسائی حاصل نہیں ہے۔

بارہواں: اللہ تعالیٰ اسے دور اندیشی اور آرزو عطا فرماتا ہے۔ وہ وقت کے اتار چڑھاؤ سے بالکل بھی پریشان نہیں ہے، نہ ہی وہ لوگوں کے ساتھ بدسلوکی اور بدسلوکی سے بیزار ہے، اور نہ ہی ان کے برے عزائم سے [جیسا کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر محفوظ ہے]۔

تیرہواں: اللہ تعالیٰ دوسروں کے دلوں میں اس کا خوف اور خوف قائم کرتا ہے۔ تمام اچھے اور برے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں اور وقت کے آمر اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

چودہواں : خدا لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا

"رحمان ان کے لیے محبت پیدا کرے گا (زمین پر اور تمام جہانوں کے دلوں میں)۔ (سورۃ البقرۃ القرآن، سورۃ البقرۃ القرآن، آیت ۹۶)

پندرہواں: اس کے تمام اثاثوں یعنی اس کی گفتار، اس کے اعمال، اس کے کپڑے اور اس کے گھر میں برکت پیدا کی جاتی ہے۔ لوگ اس زمین کو بہت مقدس سمجھتے ہیں جس پر وہ چلتا ہے یا اس جگہ پر جہاں وہ ایک دن یا اس سے زیادہ قیام کرتا ہے۔

سولہواں: دنیا کی پوری زمین، سمندر اور سمندر اس کے تابع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ پانی پر یا خلا میں چلنا چاہتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ وہ صرف ایک گھنٹے میں پوری دنیا کا احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سترہواں: تمام جانور، جانور، پرندے وغیرہ اس کے فرمانبردار اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں، چاہے وہ خطرناک جنگلی جانور یا کیڑے مکوڑے اور رینگنے والے مخلوق ہی کیوں نہ ہوں۔ جنگلی جانور اس سے پیار کرتے ہیں اور خطرناک جانور اسے چاٹتے ہیں۔

اٹھارہواں: وہ دنیا کے خزانوں کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہاتھ ڈالتا ہے اسے خزانہ ملتا ہے اور جہاں بھی وہ اپنے پاؤں رکھتا ہے وہاں سے پانی نکلتا ہے۔ وہ جہاں بھی منہ کرے گا اسے رزق پاتا ہے

انیسواں : اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دربار میں ایسی جگہ عطا فرمائی ہے کہ لوگ اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے ثالث (یا شفاعت کنندہ) کے طور پر لے لیتے ہیں۔

بیسواں : اس کی دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول کی جاتی ہیں اور اسے وہ مل جاتا ہے جس کے لئے وہ دعا کرتا ہے۔ اور اگر وہ کسی کے لیے شفاعت کرے تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی تصدیق کرتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ بھی اس کے اشارے پر اپنے اڈے سے حرکت کرتا ہے۔ جب بھی اس کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے مانگے بغیر اسے پورا کرتا ہے۔

یہ بیس نعمتیں دنیاوی نعمتوں، عزت و فضل کی مثالیں ہیں۔ باقی بیس نعمتیں جن کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے وہ آخرت سے متعلق ہیں:

اکیس: موت کا عذاب جس سے انبیاء علیہم السلام بھی پناہ لے رہے تھے، ان پر آسان ہو گیا ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے ، موت کا ذائقہ اتنا خوش آئند ہے جیسے پیاسے شخص کے لئے پانی کا ایک ڈراب۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

تتوفاهم الملائكة طيبين . (سورة النحل : ٣٢)

"فرشتے اپنی روحوں کو نکال لیتے ہیں اور وہ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی حالت میں ہوتے ہیں۔" (سورة البقرة باب ۱۶، آیت ۳۲)

بائیسویں بات: علم الٰہی (*عرفہ*) اور ایمان ("*ایمان*") کی برکتیں ان کے لیے محفوظ اور محفوظ رہیں۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے حصول کے لیے ہر قسم کی مصیبتیں، مصیبتیں، مصائب اور غم برداشت کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الآخرة

(سورة ابراهيم : ٢٧)

"اللہ ایمان والوں کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں پختہ قول کے ساتھ مضبوط کرتا ہے۔" (سورة البقرة باب ۱۴، آیت ۲۷)

تئیسواں : مرنے کے وقت اسے سکون و سکون فراہم کیا جاتا ہے اور اسے سکون اور اطمینان کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی جائے گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون . (سورة الصافات : ٣٠)

"نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" (سورۃ البقرۃ باب 41، آیت 30)

اب اسے آخرت کے دکھوں کا نہ خوف ہوگا اور نہ ہی دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں کو پیچھے چھوڑنے کا غم ہوگا۔

چوبیسواں : اسے جنت میں ابدی زندگی کی نعمت سے نوازا جائے گا۔

پچواں : موت کے وقت اس کی روح روشن ہو گی اور فرشتوں کے حضور اس کی عزت اور سربلندی کی جائے گی۔ جہاں تک اس کی ظاہری حالت کا تعلق ہے تو ، اس کی لاش کو مناسب احترام اور احترام کے ساتھ سنبھالا جائے گا اور اس کے جنازے کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جمع ہونے والے مردوں کے کندھوں پر قبرستان لے جایا جائے گا۔ ان کی نماز جنازہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شرکت کرے گی جو مرنے والوں کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ لوگ اس کے جنازے کے لئے اپنے کندھوں کو برابر کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں۔

چھبیسواں : اس کی قبر کو کشادہ اور روشن کیا گیا ہے۔ وہ قیامت تک جنت کے باغوں میں رہے گا

ستائیسواں وہ قبر میں پوچھ گچھ کی آزمائش سے محفوظ رہے گا۔ [ان کے سوالوں کے] صحیح جوابات اس کے لئے الہام ہوں گے۔

اٹھائیسواں : اس کی روح خدا کے ساتھ قربت کی حالت میں ہو گی۔ اسے جنت کے سبز پرندے میں ڈالا جاتا ہے اور اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے۔

انتیس واں: وہ قیامت کے دن بڑی عزت اور تاج اور تخت کے ساتھ جی اٹھا گا۔ وہ "*برق*" پر سوار ہو گا (اس پر جنت میں داخل ہونے کے لیے)

تیسواں اس کا چہرہ روشن اور چمکتا رہے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ. (سورة عبس:٣٨-٣٩)

"اس دن چہرے چمکتے ہنستے ہوں گے اور خوشخبری سے خوش ہوں گے۔" (سورۃ البقرۃ باب 80، آیہ 38-39)

اکتیسواں وہ قیامت کی ہولناکیوں اور عذابوں سے محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ (سورة : ٤٠)

"کیا وہ شخص بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آ کر آئے گا؟"

بتیس ویں: اعمال کا رجسٹر قیامت کے دن ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو حساب سے مستثنیٰ ہوں گے اور انہیں اپنے اعمال کے رجسٹر کی ضرورت نہیں ہوگی۔

33: بعض ایسے ہوں گے جن کا حساب ان کے لیے آسان ہو جائے گا اور بعض ایسے ہوں گے جن کا حساب کتاب بالکل نہیں ہوگا۔

چونتیسواں : اعمال کے تولنے کے وقت نیکیوں کا ترازو برے اعمال سے زیادہ بھاری ہوگا۔

پینتیسواں : نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوثر کے تالاب سے انہیں صاف پانی پلایا جائے گا جس کے پینے کے بعد انہیں پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

چھتیسواں : وہ "صراط" کے پل کو محفوظ اور محفوظ طریقے سے عبور کرے گا اور جہنم سے بچ جائے گا۔

سینتیسواں : اس کے پاس قیامت کے میدان میں دوسروں کے لیے شفاعت کرنے کا اختیار ہو گا، بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوں۔

اڑتیسواں : وہ جنت کی ابدی بادشاہی اور ابدی نعمتوں میں داخل ہو جائے گا۔

انتالیسواں : اسے خدا کی رضا و ثناء سے لطف اندوز ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور اسے خدائی قبولیت اور رضامندی حاصل ہوگی۔

چالیسواں : اسے خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی سب سے بڑی برکت حاصل ہوگی ، جو ازل سے لامحدود تک پوری مخلوق کی عبادت کا مقصد ہے ، جس کی نہ جسمانی شکل ہے اور نہ ہی شکل ہے۔

میں نے یہاں اپنی ناقص سمجھ کے مطابق [چالیس کی مقدار میں] یہ تعداد درج کی ہے جس میں ہر ایک کی بہت مختصر وضاحت کی گئی ہے کیونکہ اس کے لیے زیادہ جگہ درکار ہوگی۔ مثال کے طور پر، میں نے ابدی بادشاہی کو ایک نعمت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اگر میں اس ایک نعمت کو تفصیل سے بیان کروں تو صرف یہ چالیس نعمتوں سے تجاوز کر جاتا۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی تفصیل اتنی متنوع اور وسیع ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ

"کوئی شخص نہیں جانتا ہے کہ ان کے لیے کیا خوشی چھپی ہوئی ہے اس کا بدلہ اس کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورۃ البقرۃ 32، آیت 17)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث *میں ارشاد* فرمایا ہے کہ جنت ان نعمتوں سے آراستہ اور آراستہ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان کے بارے میں کوئی خیال آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُل لَّوْ كَانَ ٱلْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّى لَنَفِدَ ٱلْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

"اگر میرے رب کی باتوں کو لکھنے کے لیے سمندر سیاہی ہو جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائے گا، اگرچہ ہم اس کے جیسا بھی اضافہ کر لیں۔" (سورۃ البقرۃ آیت 18، آیت 109)

قرآن کریم کے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ جنت کے باشندوں سے ان کی خوشنودی اور خوشی کے لیے بات کرے گا۔ جب جنت کی یہ حالت ہے تو کسی کے لیے اس کی نعمتوں کا ایک لاکھ حصہ بھی جاننا ممکن نہیں ہے۔

اس عظیم نعمت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ جن کے پاس ہمت ہے وہ ان کے لیے جدوجہد کریں اور جن کے پاس علم اور کمائی ہے وہ ان کے لیے کام کریں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نوکر کو چار خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے:

1 . علم
2 . اعمال اور کوششیں [حاصل کردہ علم کے مطابق]،
3 . اخلاص [اپنے حاصل کردہ علم کے مطابق کوششوں میں]، اور
4 . خدا سے خوف [کہ مختلف خامیوں کی وجہ سے خدا کی نظر میں اعمال کم ہو جائیں اور اس طرح خدا کی قبولیت کے لائق نہ ہوں]۔

اللہ تعالیٰ کے بندے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اصل مقصد کے حصول کے لیے (جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور ابدی فتح حاصل ہوتی ہے] اور یہ صرف علم کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ علم کے بغیر عمل کا راستہ تلاش کرنا اندھیرے میں گھومنے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اسے علم کے تقاضوں پر عمل کرنا چاہیے، لیکن عمل اور کوشش کے بغیر وہ کوئی پیش قدمی نہیں کرتا۔ وہ جو بھی کام کرے وہ صرف خدا کی رضا کے حصول کے لیے ہونا چاہیے [بغیر کسی مادہ پرستانہ یا پوشیدہ مقاصد کے]۔ اخلاص کے بغیر عمل اس کا کوئی فائدہ نہیں کرے گا، بلکہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس کے بعد ، اسے ہمیشہ اپنے اعمال کی قبولیت یا نہ ہونے کے بارے میں خوف میں رہنا چاہئے۔ خوف کی خوراک کے بغیر وہ دھوکہ دہی کا شکار ہو جائے گا [خدا کے سامنے عاجزی کے برعکس خود راستبازی کی وجہ سے]۔

تیسرا حصہ: انسانی زندگی کے حقیقی مقصد تک پہنچنے اور ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کے حصول کے لیے علم کے ذرائع

اس مقالے میں کچھ تفصیل سے زندگی کے اصل مقصد اور اس کے حصول کے راستے پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کی طرف جاتا ہے۔ یہ موضوع بہت زیادہ اور شدید ہے کہ پچھلی صدیوں میں آفاقی سچائیوں یا گنوسٹکس کے عظیم جاننے والوں نے جلدیں لکھی ہیں تاکہ اس کی وضاحت کی جا سکے اور انسانیت کی راہ کو روشن کیا جا سکے۔ اس مختصر مقالے میں اس علم کے سب سے بڑے علمبردار امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت اور تحریروں کی روشنی میں اس کی وسعت کی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس موضوع پر کچھ عظیم ترین کاموں کی فہرست بنانا انتہائی اہمیت کا حامل ہے جو سب کے لیے بے پناہ مطابقت اور فائدہ مند ہیں، جن سے تمام سچائی کے متلاشی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس مقام پر یہ پوچھنا مناسب ہے کہ "انسان زندگی کے مقصد اور ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے حصول کے طریقوں کا متعلقہ علم کہاں سے حاصل کر سکتا ہے تاکہ جو اس پر چلنا چاہتا ہے اس کے لیے راستہ واضح اور روشن اور وسیع ہو جائے اور اس علم پر عمل کرنے سے وہ اپنی زندگی کے مقصد تک پہنچ سکتا ہے اور اس طرح ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کی کیفیت میں غرق ہو سکتا ہے؟" خوش قسمتی سے ، یہ عظیم علم ، اگرچہ عام طور پر جانا جاتا نہیں ہے ، ہر اس شخص کے لئے دستیاب ہے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول اور اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی فتح کے حصول کے راستے کا علم مندرجہ ذیل حیرت انگیز کاموں سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو تمام مخلص سچائی کے متلاشیوں کے لیے راہ روشن کرتے ہیں:

1 .قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہوئے قرآن کے دس مقاصد کی روشنی میں جو غزالی نے اپنی کتاب "*جواہر القرآن*" یا "جواہرات قرآن" میں بیان کیے ہیں جو اس مقالے میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان دس مقاصد کا مطالعہ کریں، ان کو سمجھیں اور ان کو سمجھیں، ان دس مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کا مطالعہ کریں اور مزید برآں ان دس اصولوں اور مقاصد کی روشنی میں درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔
2 .غزالی کی کتاب "*منہاج العابدین الا جنت رب* العالمین" یا "خدا کے عبادت کرنے والوں کے لیے بہترین راستہ" یا مختصر عنوان "عبادت گزاروں کے لیے بہترین راستہ"۔ اس کتاب میں مختصرا زندگی کے مقصد اور ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی حاصل کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس قابل ذکر کتاب کے بہت سے انتخاب اس مقالے میں شامل کیے گئے ہیں۔

3. غزالی کی کتاب "*کیمیا سعادت*" کا قابل ذکر تعارف جو انہوں نے فارسی زبان میں لکھا ہے یا "کیمیا یا تبدیلی کا تبدیلی کا ایجنٹ" ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے لئے ہے، جو انسان کی ابدی خوشی اور لافانی اور حقیقی کامیابی کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کتاب کا بقیہ حصہ بھی پڑھا جاسکتا ہے تاکہ اس راستے پر آگے بڑھنے کے لئے درکار چالیس مراحل کو جاننے کے لئے کیا جاسکے۔ اس کتاب کا قابل ذکر تعارف اس مقالے کے پہلے حصے میں نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔
4. غزالی کی چار جلدوں پر مشتمل حکمت کا مجموعہ "*احیاء العلوم الدین*" یا "خدا کی راہ کی احیاء" کے نام سے جانا جاتا ہے جسے "مذہبی علوم کا احیاء" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بے پناہ کتاب چالیس مختصر کتابوں میں منقسم ہے - ہر ایک خدا کی گنوسس یا "*معارفہ*" کی روحانی راہ کی نمائندگی کرتی ہے، انسانی زندگی کے مقصد اور ابدی خوشی کے حصول کے راستے کی تفصیلی وضاحت پیش کرتی ہے۔
5. آخری لیکن کم از کم، مشرق اور مغرب دونوں کے سب سے زیادہ فروخت ہونے والے شاعر مولانا جلال الدین رومی، جو "رومی" کے نام سے مشہور ہیں، نے پوری انسانی تاریخ میں خدا کی گنوسس پر سب سے بڑی شاعری لکھی ہے، جسے "*مثنوی معنوی*" یا "گہرے روحانی معانی کے دوہیں" کہا جاتا ہے۔ براہ کرم اس کا اچھے ترجمہ اور علمی وضاحت کے ساتھ مطالعہ کریں۔ یہ شاندار کتاب قرآن مجید کی گہری باطنی حکمت کو سامنے لاتی ہے اور اس کی مدد سے انسان اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں لازوال خوشی اور لامتناہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

تجویز کردہ کتابوں کی فہرست بہت بڑی ہوسکتی ہے ، کیونکہ ابدی خوشی کے آقاؤں - گنوسٹکس یا آفاقی سچائیوں اور الہی حکمت کے جاننے والوں کے ذریعہ پیچھے چھوڑے گئے حکمت کے لازوال خزانے بہت زیادہ ہیں۔ تاہم ، ایک ملین میل کا سفر کہیں سے شروع ہونا ہے اور یہ مختصر فہرست ، ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کی تلاش کے لئے اس عظیم سفر کا نقطہ آغاز اور اختتام دونوں ہوگی۔ حقیقی خود شناسی اور زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول اور اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور ابدی فتح کی طرف اپنے سفر میں آپ کو خدائی طور پر محفوظ اور رہنمائی حاصل ہو۔

مزید مطالعہ کے لیے تجویز کردہ کتابیں

تفسیر التستری (قرآن کریم کی عظیم تفاسیر) از سہل بن عبد اللہ التستری (مصنف)، یوسف میری (مدیر)، انابیل کیلر (مترجم)، علی کیلر (مترجم)
ناشر: فونس ویٹا (13 اپریل ، 2011)
آئی ایس بی این -10: 1891785192؛ آئی ایس بی این -13: 978-1891785191
منتخب آیات کی قرآن مجید کی یہ تفسیر وحی الٰہی کے گہرے معانی میں جاتی ہے اور اس کے اندر موجود جواہرات کو سامنے لاتی ہے۔

قرآن کا پیغام: محمد اسد (مدیر، مترجم) کی طرف سے متوازی ترجمہ کے ساتھ عربی متن کا مکمل بیان
ناشر: دی بک فاؤنڈیشن؛ ترمیم شدہ ایڈیشن (1 دسمبر 2008)
آئی ایس بی این -10: 1904510353؛ آئی ایس بی این -13: 978-1904510352
یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر یا تفسیر ہے۔

امام غزالی کی طرف سے پروردگار العالمین (منہاج العابدین) کے باغ تک عبادت گزاروں کا راستہ
ناشر: الباز پبلشنگ یو ایس اے (2011)
آئی ایس بی این -10: 1882216261؛ آئی ایس بی این -13: 978-1882216260
امام غزالی کی آخری کتاب میں روحانی کمال اور روشنی کے لیے ایک قدم قدم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

الغزالی کیمیا برائے خوشی 2 جلد از امام محمد الغزالی (مصنف)، جے آر کروک (مترجم)، لالہ بختیار (تعارف)
ناشر: قاضی پبلی کیشنز ، انکارپوریٹڈ (1 جنوری ، 2007)
آئی ایس بی این -10: 1567446744؛ آئی ایس بی این -13: 978-1567446746
امام غزالی کی شاہکار "*کیمیا سعادت*" ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کے تبدیلی کے ایجنٹ کا خاکہ پیش کرتی ہے۔

علوم دین کا احیاء (احیاء علوم الدین) 4 جلد از امام محمد الغزالی (مصنف)، محمد مہدی الشریف (مترجم)
ناشر: دار القطب العلمیہ، بیروت، لبنان (2011)
ایس کے یو 1010021؛ آئی ایس بی این: 9782745159458
http://jamalon.com/en/1010021.html
امام غزالی علیہ السلام کی چار جلدوں پر مشتمل حکمت کا مجموعہ روحانی راہ کے ہر پہلو کو بیان کرتا ہے جس سے زندگی کے مقصد کے حصول اور اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

مثنوی (6 جلدیں) از مولانا جلال الدین رومی۔ آر اے نکلسن (مترجم)
http://www.dar-al-masnavi.org/about_nicholson.html
امریکہ میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والے شاعر رومی کی کتاب "*مثنوی معنوی*" یا "گہرے روحانی معانی کے دوہیں" چھ جلدوں پر مشتمل ایک شاندار کتاب ہے جو قرآن کی گہری باطنی حکمت، کسی کی زندگی کے گہرے معنی اور مقصد اور اس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کو سامنے لاتی ہے۔ یہ گنوسس اور الٰہی محبت پر لکھی گئی اب تک کی بہترین روحانی شاعری ہے۔

کتابیات

[1]ابو حامد غزالی کی کتاب اعمال کے معیار (*میزان امل*) ایڈیشن۔ از ایس دنیا (دارالمرائف پریس، قاہرہ، پہلا ایڈیشن، 1964) صفحہ 180-181۔ ترجمہ محمد حزین۔ سے لیا گیا http://ghazali.org/works/mizan-en.htm

[2] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ پی پی XV-XXIII۔

[3] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ پی پی 1-47۔

[4] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ صفحہ 68-48۔

[5] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ صفحہ 90-77۔

[6] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ پی پی 140-91۔

[7] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: بلال محمد عاصم۔*کیمیا سعادت* (ابدی نعمت کی کیمیا)۔ لاہور، پاکستان: قاضی پبلیکیشنز، 2001۔ پی پی 142-141۔

[8] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: انصاری، اقبال حسین۔ *منہاج العابدین* (عبادت گزاروں کے لیے بہترین طریقہ) کراچی، پاکستان: دارالاشاعت، 1998۔ پی پی 8-20۔

[9] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: ابوالقاسم محمد۔ *جواہر القرآن* (جواہرات قرآن) کوالالمپور، ملائیشیا: یونیورسٹی آف ملایا پریس، 1977۔ صفحہ 19-33۔

[10] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: الشریف، محمد مہدی۔ *احیئ علوم الدین* ۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، 2011۔ جلد 3 ، صفحہ 22-28 ، 35-38۔

[11] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: انصاری، اقبال حسین۔ *منہاج العابدین* (عبادت گزاروں کے لیے بہترین طریقہ) کراچی، پاکستان: دارالاشاعت، 1998۔ پی پی 363-369۔

[12] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ (اردو ترجمہ سے): حسن، عرفان۔ *ایوہل ولد* (میرا پیارا بیٹا یا بیٹی) مجمع *رسا الامام غزالی* (مجموعہ مختصر کتابوں کا مجموعہ) کراچی، پاکستان: دارالاشاعت، 2004۔ جلد 1 ، صفحہ 13-17۔ انگریزی ترجمہ سے لیا گیا: http://www.ghazali.org/books/My%20Dear%20Beloved%20Son.doc

[13] الغزالی، محمد۔ انگریزی ترجمہ: انصاری، اقبال حسین۔ *منہاج العابدین* (عبادت گزاروں کے لیے بہترین طریقہ) کراچی، پاکستان: دارالاشاعت، 1998۔ پی پی 401-411۔



یہ مقالہ قارئین کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ زندگی میں حقیقی مقصد اور سمت کی کمی کی وجہ سے مایوسی اور کم کامیابی کی گہرائیوں میں ڈوبنے کے بجائے ، دنیاوی کے لئے لاشعوری لگن اور- عام سے مطمئن ہونے کے بجائے عزائم کو بلند کریں اور انسانی کامیابی کی بلندیوں کو چھویں۔ یہ مقالہ، جس کی ترقی کے ساتھ ساتھ شدت سے سامنے آتا ہے، انسان کی ممکنہ اور حقیقی صلاحیت اور قدر کے فن کو ظاہر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں ابدی خوشی اور لامتناہی کامیابی کو لافانی ابدیت کی زندگی میں لے جاتا ہے۔ انسانی جسم ، دماغ اور عقل کی حدود ، جو زمان و مکان کے طول و عرض کی حدود میں پھنسے ہوئے ہیں ، اس کے دل اور روح کی بلندی سے اس کی تلافی اس کے دل اور روح کی بلندی سے کی جاتی ہیں ، جو ایک بار اس کو پکڑنے والی زنجیروں سے آزاد ہوجاتی ہے۔ یہ مقالہ انسان کو ابدی خوشی اور کبھی نہ ختم ہونے والی کامیابی کے بے پناہ سمندر کی طرف لے جاتا ہے، جو کسی کو مضبوطی سے ابدی خوشی کی راہ پر گامزن کرتا ہے، بیداری اور روحانی روشنی کے نئے پہلے سے نامعلوم راستے کھولتا ہے اور ابدی سچائیوں کے طلوع ہونے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔